

ہلکے پھولوں کی

(۴۳ تا اثراتی مضامین کا مجموعہ)

گھپ اندھیروں میں چمکے اے اُن کی جگہوں کی طرح
میں نے پایا ہے جنہیں پھولوں کی خوشبو کی طرح

صلاح الدین تیسرے

تجملہ فتویٰ رہنما مفت مکتوبات نویسی

تاریخ و مہینہ اشاعت.....	۵ نومبر ۲۰۰۲ء
تعداد.....	۵۰۰
قیمت.....	۱۵ روپے
لائیویری ایڈیشن.....	۲۰۰
مکتوبات.....	انور مسعود
طباعت.....	اعجاز پرنٹنگ پریس چیمبرہ راجپوت آباد
ناشر.....	صلاح الدین خیر

مکتوبات میں ملنے والے کاپیے

- ▲ سیاست کا دسٹر بیل - ہوا ہری ہرور وڈ - حیدر آباد - ۱
- ▲ سٹانی بک ڈپو - چھوگر - حیدر آباد - ۱
- ▲ نصف - کہکشان ۸۲/۷ - ۲۰ - ایلیٹی حیدر آباد - ۱

انتساب

”جس پھولوں کی“ کویر اپنے گلشن بے خزاں کے اُن بگماتے ہوئے
 تاروں، چمکتے چمکتے منیر غنچوں، شگفتہ اور نر و نازہ پھولوں (پوستے
 اوپر تینوں) کے نام معنون کرتا ہوں تو صدف (بنت شمس الدین عارف)
 ازار (فرزند منہاج الدین خضروی) منویر (بنت سراج الدین سلیم) سر
 اور ندیم (فرزند ابی نعیم الدین پیر دین) کے نام سے موسوم ہیں جن میں سے
 کچھ رنگینے اور لڑکھڑانے کی منزل سے گزر رہے ہیں تو کچھ اپنے قدموں کی
 رفتار کو تیز کر رہے ہیں جن کے قدم و ملائم قدموں کی آہٹوں سے میرے گھر
 کے تمام گوشے روشن ہو رہے ہیں۔

سلح الدین منیر

ترتیب و ترتیب

مہکتا پھولوں کی صلاح الدین نیسہ

مضامین



سید بلال شرم علی اختر نامور دانشور۔ اعلیٰ درجہ کے اڈمنسٹریٹر

ڈاکٹر رفیعہ سلیمان شہید اردو جانشین کی پہلی خاتون صدر

نامور ادیب و محقق

سید اے۔ و۔ سح سکریٹری اردو اسوسی ایشن اعلیٰ ماغ اعلیٰ

سید تراب الحسن سکریٹری کے قابل ترین اعلیٰ عہدہ دار

اے۔ وی۔ منا جاری اردو و تحریک آبادی۔ آئی اے ایس آفیسر

ڈاکٹر شیریں سہوی ہندو خاتون باوقار ادیبہ بہترین استاد

نسیم تراب الحسن مسلم اہل شریف النفس صاحب طرز قلم کار

محمد ظہیر الدین احمد ماہر اقبالیہ اعلیٰ طرفہ وسیع النظر شخص

ڈاکٹر لیلیٰ صلاح مشرقی تہذیب کی نمائندہ خاتون قابل

استاد و ادیبہ

ڈاکٹر حمیرہ جلیلی باصلاحیت استاد نامور محقق گوشت نشین

معتبر خاتون

علامہ اعجاز فرخ مایہ ناز خطیب صاحب طرز ادیب شاعر

ڈاکٹر ایم اے فیض ہمدردی کا پامرو انسان بہترین ادیب

- جلیل پاشا اردو بی عریا کے علمبردار و انشا شخصیت ۷۳
- افضل حسین مثال دوست شریف النفس انسان ۷۹
- ڈاکٹر اندو و شمسٹ ہندو کی نامور شاعرہ ممتاز عثمانیہ ۸۴
- انجم قمر سوز ممتاز شاعرہ ہل غزل کی رات کی کنوینٹر ۹۰
- فاطمہ نسreen گل تازہ کی طرح ہلکے و ان شخصیت و شاعرہ ۹۳
- ڈاکٹر صابو سعید (رخشا) ہندو کی نامور شاعرہ ۹۹
- انیس قیوم فیاض یادگار شاعرہ و شاعرہ ۱۰۲
- گویت اکرن اردو شاعرہ دستک آئیے بھائی ۱۰۴
- یوسف ناظم نامور فرزند عثمانیہ ممتاز طنز و مزاح نگار ۱۰۷
- ابوالفیض محمد خود شناس دیدار و قادر انشور ممتاز عثمانیہ ۱۱۵
- سعید بن حسن باغزال جد میں حیدر آبادیوں کے لیے سامان ۱۱۷
- حسن حبیبی بزم عثمانیہ جدہ کے سرپرست ۱۲۱
- عارف قریشی تہذیبی سیرت نگار میں حیدر آباد کی پہچان ۱۲۶
- عبدالرحیم آزاد سیر آزاد و برائے جدہ (سودی عرب) ۱۳۲
- وہاب عنایتی کارکرد فعال شخصیت ۱۳۲
- حب کوثر ممتاز قانون دان نامور عمر معتبر شخصیت ۱۳۹
- حب کوثر فکر و آگہی کی شمع فروزا نامور ادیبی مقرر ۱۴۶
- حب کوثر بہترین دو ہاتھ انسان نامور شاعرہ ۱۵۳
- ناظم مشاعرہ

• داکٹر صفیر عالم

پروفیسر فہیم و سیدی

خسرو عابدی

● جمیل نظام آباد

اور صفائی

نادر اسلموپی

رشد بسیار

دکتر مذاق اثر

سید فیض علی خاں دہلوی

غفر الله له

• وقار ریاض

ریحانہ بیگم

پروقیسیر جگن ناتھ آزاد

کاورشش پداری

نورادیب

مہک پھولوں کی

(۳۳ تا ۳۴ ماضی کا مجموعہ)

مہک پھولوں کی میری ۲۲ ویں کتاب ہے اس کتاب سے پہلے میری اور مجھے سے متعلق ۶ کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن میں کتاب "شعری مجموعے" بھی شامل ہیں۔ "مہک پھولوں کی" میں حیدر آباد افکار آج کل پر دلش افکار حیدر آباد کن، بیرون ریاست اور بیرون ملک میں مقیم ہندوؤں کے مختلف شعبوں کے خلق رکھنے والی یہ قید ریاست ۳۳ شخصیتوں میں ۲۰ شخصیتیں ایسی شامل ہیں جن کا حیدر آباد سے تعلق ہے۔

تاشرائی مضامین کے تحت رکھنے والی میری دو کتابیں سال گذشتہ شائع ہوئی ہیں۔ "خوشبو" ہے بہاراں میں یہ قید حیات ۲۰ شخصیتوں پر مضامین شامل ہیں جو ۵ جون ۲۰۲۲ کو شائع ہوئی اور "میں سو گئے" داستانِ نجات کہنے میں جو ادراک ماضی سے خلق رکھنے والی کتاب ہے ۲۱ مضامین موجود ہیں یہ کتاب یکم نومبر ۲۰۲۲ کو شائع ہوئی۔ سال رواں جون ۲۰۲۲ میں یہ قید حیات ۲۰ شخصیتوں پر میری ایک ضخیم کتاب "رشتی خوشبو" مہک کے نام سے شائع ہوئی ہے جو

۴۵۰ صفحات پر مشتمل ہے اس طرح ان تین کتابوں میں ۱۱۱ شخصیتوں پر میرے
 مضامین شریک ہیں ان تین کتابوں سے پہلے میں نے ”سلسلہ جہولوں کا“ (۱۹۹۲) ”پیمبر
 و ہی پر چھایاں“ (۱۹۹۳) اور ”کہکشاں“ (۱۹۹۶) کے لیے کچھ شخصیتوں پر مضامین
 لکھے ہیں۔ میں نے ۱۹۹۸ میں ممتاز صافی جناب محبوب حسین جگر کی صافی فنی خدمات
 پر ایک کتاب لکھی ہے اس کتاب میں محبوب حسین جگر صاحب کی شخصیت اور ان کی
 صافی فنی و تہذیبی خدمات کے علاوہ جناب علی علی خان اور روزنامہ سلسلہ کے بارے میں
 بہت سی باتیں ضبطِ نحویر میں لائی ہیں۔ انشاء اللہ جنوری ۲۰۰۲ء میں اوراقِ ماضی سے
 تعلق رکھنے والی شخصیتوں پر میرے ناشرانی مضامین کا مجموعہ ”خوشبو یادوں کی“
 منظرِ عام پر آئے گا جس میں جید رہنما و اضلاع آندھرا پردیش اور اضلاع جید رہنما و کن
 کی شخصیتیں شامل رہیں گی۔ خدا کا شکر ہے کہ میری تمام کتابوں کو ادبی حلقوں میں
 پذیرائی حاصل ہو چکی ہے۔ یقیناً ہے کہ صاحبانِ فکر و نظر اس کتاب کو بھی پسند کریں گے
 جناب انور مسعود نے کافی تن دہی سے کتابت کی ہے جن کا ممنون ہوں۔ اعجاز پریس کے
 جواں سال مالک علی اعجاز محمد (فرزندِ نکلاں سید نور محمد مرحوم) اور ان کے چچا سید ممتاز محمد
 کا بھی میں شکر گزار ہوں کہ انہوں نے پوری توجہ کے ساتھ طباعت کی ذمہ داری کو پورا کیا
 میں اپنے تمام اہل قلم و دستوں اور اپنے کرم فرماؤں کا ممنون ہوں کہ کئی
 برسوں سے وہ میرے ادبی سفر میں قدم بہ قدم ساتھ ہیں۔

صلح الدین شیخ

کہکشاں
 ملے جلی جید رہنما

سید ہاشم علی اختر

(نامور دانشور - اعلیٰ درجہ کے اڈمنسٹریٹر)

جس زمانے میں جناب سید ہاشم علی اختر انجینئرنگ ڈیپارٹمنٹ کے سکریٹری تھے تو اُس محکمے میں میرے ایک دوست جناب بشیر انور اسٹنٹ سکن آفیسر تھے جب ہاشم علی اختر صاحب سکریٹری کے ایک نئے محکمے کا ڈائریکٹر ہوئے تو میرا سفارش پر بشیر انور صاحب کو اپنے محکمے میں لے لیا چونکہ وہ ایک نیا ڈیپارٹمنٹ تھا اس لیے بشیر انور اپنے دوسرے ساتھیوں کے مقابلے میں وقت سے پہلے سکن آفیسر ہو گئے۔ ہاشم علی اختر صاحب کی عنایتوں کا ایک اور واقعہ کچھ اس طرح ہے۔ میرے ایک دوست محبوب احمد محکمہ روڈ اینڈ بلڈنگ میں اسٹنٹ انجینئر تھے محکمہ کی لائبریری کی وجہ سے اُن کے بیروشن کا کس منظر ہو گیا تھا یہ مشکل تمام ان کا نام بیانیل میں شریک کیا گیا تھا بیانیل کی منظوری کے ایک رکن سکریٹری کا سر کے ایم احمد ہیں تھے جن سے سفارش کروانی تھی۔ میں محبوب احمد صاحب کو اپنے ہمراہ لے کر ہاشم علی اختر صاحب کی قیادت میں (سری لنگر کالونی) پہنچا۔ محبوب احمد صاحب گھر میں باہنیں چاہتے تھے وہ باہر موٹر

میں بیٹھتا تھا۔ اسی وقت صاحب ڈرائنگ روم میں آئے باہر آئے اور اپنے ساتھ
 ڈرائنگ روم میں لے گئے۔ رمضان کا ہینہ تھا افطار کے بعد مجھے بھی مشائیر میں ش
 کیا گیا جب میں نے ان سے ملاقات کی وہ بتلائے اور کہا کہ میرے ایک دوست فلک
 عدم تعاون کا شکار ہو چکے ہیں اگر آپ اسوں طو پیرا عانت فرمائیں تو میں آپ
 شکر گزار ہوں گا ہاشم صاحب نے فی الحال کوئی کام نہیں کیا اور ان کا
 فضل سے سفارش کا کام لیا اور پھر ان کی سستی کا کوئی بہت بڑا سودا تھا
 کو ترقی دیا گئی۔ ہاشم علی اختر صاحب کے لئے بہت سوانہ کام تھا انہوں نے دیر
 ملازمت بہت سے متحقق اور ضرورت مند صاحبان مدد کی ہے ہاشم علی اختر
 ہمیشہ مجھ سے خندہ پیشانی سے ملتا رہا۔ صاحبان شاعری سے بہت متاثر
 ہیں مجھے شعر دیکھتے تھے کہیں اپنا کلام بندوں پر سم افطار دینا مگر میں شاعر
 نہ ہوں۔ مجھ سے کہتے کہ میں قلم کا سروور ہوں۔ وہاں ملاقات ڈاکٹر سلیم نجیر
 ریاضی کا بھی تذکرہ کیا کرتے تھے۔ ہاشم علی اختر صاحب نے بہت سی بیانات دے
 غرض شناس یا محروم اور بہت پاک علی آفیسر راجپوت تھے۔ ان کے درویش
 پرانی شرافت کے گھر پر تنویریں چھوٹے ہیں۔ سحر بیڑی کی چلی روایات
 کہ چھوٹے دانوں میں ہاشم علی اختر صاحب کا نام ہی سر پرست رہے گا۔ ہ
 (ماخوذ از "سلسلہ چٹوڑی" کا ۱۹۶۲ء)

پروفیسر رفیعہ سلطانہ

(شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ کی پہلی خاتون صدر، نامور اردو محقق)

پروفیسر رفیعہ سلطانہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ کی پہلی صدر رہ چکی ہیں۔ ادھر کچھ برسوں میں پروفیسر رفیعہ سلطانہ کے علاوہ ڈاکٹر زینت ساجدہ اور ڈاکٹر سیدہ جعفر چشتی قابلِ خواتین صدر شعبہ کے عہدہ پر فائز رہیں ڈاکٹر سیدہ الدین قادری زور، پروفیسر عبدالقادر سروری، ڈاکٹر مسعود حسین خان، ڈاکٹر غلام عمر خان اور ڈاکٹر منعی تبسم نے بھی شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ کو شعبہ کی حیثیت سے عزت بخشی۔ پروفیسر رفیعہ سلطانہ جامعہ عثمانیہ کی ایک قابلِ استاد کی حیثیت سے شہرت رکھتی ہیں۔ ان کے بیسیوں شاگردوں نے شعر و ادب کی دنیا میں اونچا نام کمایا جو اپنی استاد (رفیعہ آریا) کے طریقہ درس و تدریس کو خراجِ پیش کرتے رہتے ہیں۔ پروفیسر رفیعہ سلطانہ کے دور میں شعبہ اردو میں طلباء و طالبات کی فاحشی تعداد تھی اُن کے بعد کے دور سے تعداد گھٹتی چلی گئی۔ پروفیسر رفیعہ سلطانہ کی صحت

جب تک ان کا ساتھ دیتی رہی۔ علمی و ادبی تقاریب میں شرکت کیا کرتی تھیں انہوں نے اپنے دور میں شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ اور جامعہ سے ملحقہ کالجوں ادبی تقاریب میں حصہ لیا یہی نہیں شہر کی بڑی ادبی انجمنوں اور اداروں کے زیر اہتمام ہونے والے جلسوں میں شرکت کی بعض اوسط درجہ کی ادبی انجمن کو بھی اپنی بہترین خطابت سے نوازا۔ میں نے خاص طور پر انجمن ترقی اردو اور ادارہ ادبیات اردو کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی ادبی تقاریب میں ڈاکٹر صاحب کو حصہ لیتے ہوئے دیکھا ہے شہر کے بعض شاعروں، ادیبوں کی کتابوں کی راجزاء تقریب میں شرکت کیا کرتی ہیں شہر کے مختلف معیاری علمی و ادبی اداروں سے وابستہ رہیں۔ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ شعبہ اردو کی نامور استاد ہونے کے علاوہ اردو کی ایک مستند محقق بھی سمجھی جاتی ہیں فورٹ ولیم کالج سے پہلے اردو نثر کا ارتقاء ان کا بیڑا کا رہا ہے ڈاکٹر صاحبہ کا شمار جدید ادب کے اولین افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے ان کے افسانوں کا مجموعہ ”کچے دھڑکے“ کئی سال سے شائع ہو کر مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔ ”فن اور فن کار“ ”اردو ادب کی ترقی میں خواتین کا حصہ“ ”کلیات احسان“ ”دکنی نثر پارے“ اور ”دودھ حیران محفل“ ڈاکٹر صاحبہ کی کتابیں ہیں۔ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ صاحبہ کی زیر نگرانی کئی طلباء و طالبات نے پی ایچ ڈی کے مقالے تحریر کیے ہیں۔ آل انڈیا ریڈیو سے اکثر ڈاکٹر صاحبہ کی معلومات آفریں تقاریب نشر ہوا کرتی تھیں۔ محفل خواتین کے عام جلسوں کے علاوہ سالانہ جلسوں میں شرکت کر چکی ہیں۔ میں جب ۶۰/۱۹۵۹ء میں ریڈیو اردو کالج میں پی ایچ ڈی کیلئے

طالب علم تھا تو اس زمانے میں بھی انہوں نے بیسیوں ادبی تقاریب کو
 مخاطب کیا تھا۔ مجھے اکثر ایسے ادبی جلسے یاد ہیں جن میں ڈاکٹر رفیعہ
 سلطانہ نے شرکت کی اور اپنے معلومات آفریں خیالات سے حاضرین
 محفل کو مستفید کیا۔ ۱۹۵۹/۶۰ میں شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ کے علاوہ
 جامعہ عثمانیہ سے محققہ کالجوں کی بین کلباتی تقاریب میں مدعو رہ کر قیام
 ۱۹۶۰ میں شعبہ اردو و ہمیں کالج کی صدر شعبہ تھیں۔ ڈاکٹر ثمنہ شوکت
 شعبہ اردو میں پچھرتھیں اور بزم اردو کی مشیر بھی تھیں جن کی قیادت میں
 کئی ادبی پروگرام ترتیب پائے۔ خاص طور پر بیت بازی کی ایک نمائندہ ٹیم
 نے کافی نام کمایا۔ فاطمہ نسreen شعبہ اردو میں بی۔ اے کی طالبہ تھیں اور صدر بزم
 اردو بھی تھیں فاطمہ نسreen جب تک و ہمیں کالج میں رہیں انہوں نے اپنے
 اساتذہ کی زیر سرپرستی و ہمیں کالج کی ادبی سرگرمیوں کو فروغ دیا۔ مجھے بھی
 اپنے کالج کی ایک اہم تقریب میں مدعو کیا تھا نام کالج جس کے صدور و معتمدین بھی
 مدعو تھے۔ میں اس خاص تقریب میں اس وقت پہونچا جب تقریب ختم ہو گئی
 تھی چائے نوشی ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ کی بھرپور شخصیت کا اور ان کے
 سرپرستانہ سلوک کو قریب سے محسوس کرنے کا مجھے اس وقت اتفاق ہوا چائے
 نوشی کے بعد تقریباً تمام اساتذہ اور طالبات جاچکے تھے سب سے آخر میں
 جلنے والی استار پر وقیر رفیعہ سلطانہ تھیں انہوں نے جاتے ہوئے مجھے اور
 فاطمہ نسreen کو و ہمیں کالج کی بیڑ جیوں پر محو گفتگو دیکھا اس وقت سورج دن بھر
 کی ٹھکن کے بعد مغرب کے دامن میں ڈوب رہا تھا شام کا وقت تھا ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ

تے ہمیں دیکھا اور یہ کہتے ہوئے واپس ہوئیں۔ شام ہو رہی ہے گھر جائیے
 تمام اساتذہ اور طالبات اور دیگر بھائی چاچے ہیں۔ میں اُس وقت غافلہ نہ
 کو اردو کالج کی سالانہ تقریبات میں مدعو کرنے کے سلسلے میں محو گفتگو تھی یہ صبح
 ہے کہ کافی دیر تک ہم محو گفتگو رہے ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ نے سیرا نہیں مانا لیکن
 ایک صدر شعبہ اردو ہونے کی وجہ سے یہ احساس دلایا کہ وہ مین کالج کی شعبہ
 اردو سے تعلق رکھنے والی طالبات کا وہ نگران و سرپرست ہیں۔ اس واقعہ
 کو یہاں قلم بند کرنے کا یہ مقصد ہے کہ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ جیسی اردو کا اساس
 نہ صرف درس و تدریس کی حد تک ہی اپنی ذمہ داریوں کو نبھاتی تھیں بلکہ
 طلباء و طالبات کی بہترین تربیت بھی کرتی تھیں۔ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ کے
 بے شمار شاگردوں نے نہ صرف علمی و ادبی دنیا میں ہی نام کمایا بلکہ ان کی اساتذہ
 اور مستفغانہ تربیت سے بھی اپنی زندگی کو پُر نور بنالیا۔ اگرچہ میں ڈاکٹر
 رفیعہ سلطانہ کا راست شناسا کر دہیں رہا لیکن ان کی علمی و ادبی خدمات سے میں
 بڑی حد تک مستفید ہو چکا ہوں۔ میں نے کالجس کی سرگرمیوں سے ہٹ کر شہر
 کی بعض ادبی انجمنوں کے جلسوں میں انہیں رونق افروز ہوتے ہوئے دیکھا
 ہے۔ ایسے شعری مجموعوں کی رسم اجراء تقریب میں انہیں نے اظہارِ خیال کی
 زحمت دینا رہا ہوں۔ ڈاکٹر صاحبہ نے ہمیشہ میری درخواست کی پزیرائی کی
 اور اپنی تشریف آوری سے مجھ سے متعلق ادبی محفلوں کو بھی رونق بخشی۔ مجھے
 یہ کہنے ہوئے فخر محسوس ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحبہ نے نہ صرف میری کتابوں کی
 رسم اجراء تقریب میں شرکت کی بلکہ اپنے زرین خیالات سے نوازا۔ کسی جگہ

بہت ہی کم ایسے اساتذہ یاد رکھے جاتے ہیں جنہوں نے تعلیم و تربیت اور درس و تدریس کے میدان میں خود بھی نام کمایا اور بہترین شاگردوں کو بھی روشن مستقبل کی طرف دیکھنے کی ترغیب دلائی۔ ۱۹۷۲ء میں جب پروفیسر احتشام حسین انجمن ترقی اردو کے ایک جلسہ میں شرکت کے لیے آئے تھے اس وقت اردو خیال میں منفقہ جلسے میں اس دور کے تمام اہم اساتذہ، طلباء اور اہل فن حضرات، خواتین نے شرکت کی تھی اس محفل میں مجھے یاد ہے کہ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ نے بھی شرکت کی تھی اس دور میں جدید آباد میں خاص طور پر انجمن ترقی اردو اور ادارہ ادبیات اردو کے زیر اہتمام نمائندہ ادبی جلسے اور مشاعرے ہوا کرتے تھے اردو ہال کے اس اہم جلسے کے اختتام پر مجھے سید احتشام حسین صاحب سے نیاز حاصل ہوا اس وقت میں نے احتشام صاحب سے یہ عرض کیا تھا کہ آپ میرے دو مکمل مجموعہ کلام "زخموں کے گلاب" کے لیے دیباچہ لکھیں تو میری حوصلہ افزائی ہوگی اس وقت میرا پہلا مجموعہ کلام "محل تازہ" شائع ہو چکا تھا۔ پروفیسر احتشام حسین، صدر شعبہ اردو، الم آباد یونیورسٹی تھے اور ایک متوازن نقاد کی حیثیت سے علمی و ادبی حلقوں میں مشہور تھے ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ اور ڈاکٹر سید احتشام حسین جیسے اساتذہ اردو اور ادیب و نقاد نے زبان و ادب کی بہت خدمت کی اور اب ایسے اساتذہ ہفتا ہوتے جا رہے ہیں۔ جہاں کہیں بھی بہترین اساتذہ اور اردو کے ادیبوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہاں پروفیسر آل احمد سرور، پروفیسر احتشام حسین، کلیم الدین احمد، پروفیسر مسعود حسین خان، پروفیسر گیان چند جین کے ساتھ ساتھ حیدر آباد کے ڈاکٹر سید علی الدین قادری، سرور، پروفیسر عبد القادر سروری،

پروفیسر سید محمد، ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ، ڈاکٹر حفیظ قتیل، ڈاکٹر عمر خان، ڈاکٹر
 زینت ساجدہ، ڈاکٹر سیدہ جعفر اور ڈاکٹر مغنی تبسم وغیرہ کا نام بھی خصوصیت
 کے ساتھ لیجئے ہیں اس دور کے جامہ عثمانیہ سے محققہ کمالجوں کے نامور اساتذہ
 میں پروفیسر ابو ظفر عبد الواحد اور ڈاکٹر حسینی شاید بھی شامل تھے۔ قابل اساتذہ
 ہر دور میں رہے ہیں لیکن یہ طلباء کے علم و ادب کے ذوق پر منحصر ہے کہ وہ
 ان سے استفادہ کریں۔ جس طرح بے شمار دانشوروں اور اساتذہ میں
 کچھ منتخب اساتذہ کا نام شہرت کا حامل ہے اسی طرح ہر دور کے بعض طلباء کے
 نام بھی مشہور ہیں۔ قابل اساتذہ اور لائق طلباء ایک دوسرے پر فخر محسوس کرتے
 ہیں سیاست اخبار حیدرآباد کے بیہفت سے فلم کاروں کی تنہیر کا ذریعہ ثابت
 ہوا۔ اس اخلاک کے ذریعہ نہ صرف اساتذہ بلکہ ہونہار و قابل طلباء کے مضامین
 بھی منظر عام پر آتے تھے۔ ان ۵۰ برسوں میں بے شمار اساتذہ اور طلباء جو فلم کار
 بن گئے ہیں سیاست کے ذریعہ شہرت پائے۔ علمی و ادبی حلقوں میں ان کی ادبی
 سرگرمیوں کا اظہار ہونے لگا۔ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ کے کئی مضامین اخبار سیاست
 میں شائع ہو چکے ہیں ڈاکٹر صاحبہ کی سیاست میں تحریروں کی اشاعت کے علاوہ
 سیاست کے زیر اہتمام ہونے والی ادبی سرگرمیوں میں بھی ڈاکٹر صاحبہ کی خدمات
 حاصل کی گئیں۔ ۲۵ برس پہلے سیاست اخبار میں مختلف نوعیت کے ادبی مقابلے
 ہوا کرتے تھے جن میں بہترین اشعار کا انتخاب ہوتا تھا بہترین اشعار کا انتخاب
 کے سلسلے میں ایک اجلاس ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ نے حج کے فرائض انجام دیئے تھے
 سیاست کا یہ ادبی شجر اقم الحروف سے متعلق تھا شہر کے تقریباً تمام مشاہیر اُد

نے مختلف اطباسوں میں حج کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دیئے۔ ڈاکٹر
رفیعہ سلطانہ جس ادبی مغل میں شرکت کرتی رہیں اُن کی خاطر خواہ پذیرا
کی گئی۔ ادھر کچھ برسوں سے وہ صحت کی خرابی کی وجہ سے ادبی محفلوں میں
شرکت نہیں کر رہی ہیں۔ لیکن اب بھی کئی طلباء ان کی خدمات سے استفادہ
کر رہے ہیں۔ اچھے اور قابل اساتذہ کی بے سر خدمت رہیں یا نہ رہیں
ان کی قابلیت سے ذہین و فطین طلباء و قلم کار مستفید ہوتے رہتے ہیں۔
میں نہایت ذمہ داری اور دیانت داری سے یہ کہنے کے موقف میں ہوں کہ
ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ میری ادبی مصروفیات کی حوصلہ افزائی کرتی رہیں۔ ان کی
قابل شیعہ متوں کی ہمت افزائی نے میرے ادبی سفر کو ہمیز کیا ہے جن کا اثر
ہمیشہ شکر گزار رہوں گا۔

یس۔ اے۔ واسع

(صدر سکریٹریٹ اور ایجوکیشن، نظام دار، اعلیٰ آفیسر)

جس وقت بنا رہیں اے واسع ملکہ ٹریبونٹ میں اسٹنٹ سکریٹری
 تھے تو میری ان سے پہلی ملاقات ہوئی۔ انہیں شعر و ادب سے کافی دلچسپی تھی میں ان
 کی خواہش پر انہیں مختلف شاعر کا کلام پڑھنے کے لیے دیا کرتا تھا رفتہ رفتہ ہمارے
 روابط بڑھنے لگے اور ایک وقت ایسا ہی آیا کہ وہ میرے حکم میں ڈپٹی سکریٹری کی
 حیثیت سے آئے۔ پھر تو ملاقاتوں کا سلسلہ روانہ ہوتا گیا۔ ان کی غیر رسمی صحبت
 میں کچھ ایسی بات تھی کہ بار بار ملنے کو ہی چاہتا تھا واسع صاحب صیفہ انظران
 (اور پی) کے ڈپٹی سکریٹری تنہا ان کے تحت ملازمین کے بہت سے مسائل حل طلب
 رہا کرتے تھے جیسے مختلف شخصیات میں تعلقاتی، پرموشن کیسز، رخصتیں، مکانات
 اور موٹر سیکل کے قرضے جات وغیرہ۔ ان سے روابط کی بنیاد پر میں نے اپنے آفس
 کے ساتھیوں کی بہت مدد کی۔ واسع صاحب میری ہر بات کا خیال رکھتے
 تھے اس زمانے میں انھوں نے ایک ٹائپسٹ سٹرنر سہاراؤ نے اپنی بعض خاتمی
 آفیسوں کی وجہ سے ملازمت چھوڑ دی تھی ایک دن وہ مجھ سے اور میرے ساتھی خواجہ

بہاء الدین سے ملے اور تمہیں دیکھ کر کہہ گئے کہ میں بہت پریشان ہوں اسحٰنی! آپس میں
 ہوں میری مدد کیجئے۔ انہوں نے کہا کہ صاحبہ صفائی کی اور سو نہ اس
 منظور ہونے کے باوجود انہوں نے وہاں ملازمت میں لے لیا۔ آئندہ ٹائپسٹ بہار
 ڈپارٹمنٹ میں اسٹیشن آفیسر بی واسطہ صاحبکا دور پر سنا بیت راج رہا۔ عہدہ
 ایک سہرا دور تھا ان کے زمانے میں کسی بھی ملازم کی حق تلفی نہیں ہوئی۔ واسطہ صاحب
 رکھ رکھاؤ بہترین ہو گیا۔ میرا اپنے باوقار ایک لہجہ کی وجہ سے کافی شہرت رکھنے لگا
 میں اعلیٰ آفیسر کو وہاں خوشبو سٹیشن مل قیاس جو ان کے عہدہ کیلئے ضروری سمجھی جاتی تھی
 وہ ایک خوش مزاج اور خوش نظر عہدہ دار بہتیت سے بھی پسند کیے جاتے تھے۔ انہوں
 ہمیں محسوس ہی ہوتے تھے۔ دیکھو وہ ہمارے آئینہ ہیں خاص طور پر خواجہ بہار
 اور مجھ سے وہ بہت مل کر گفتگو کرتے تھے۔ دو توں کی طرح اس وقت ان کی زبان پر
 رنگ لائی تھیں۔ ان کو درمیان میں بہار شریف خواجہ بہار الدین سے ملے۔ وہ بہار
 شہر سے آئے تھے۔ ان کے پاس ایک صاحبہ تھیں جو کہ بہار شہر سے آئی تھیں۔ انہوں
 کو کالیشن کے بعد ہر گزے تو ان سے ملے۔ انہوں نے اسٹیشن کے اعلیٰ محضوں اور ان کے
 ان کے سامنے زبانی بہتر بہتر پیشہ ہو گئے۔ بہتر بہتر پیشہ ہو گئے۔ بہتر بہتر
 پر مدد فراہم کی گیا تھا جس کو میں نے ترمیم دیا تھا۔ ان کی سلسلہ کی اپنی فائز
 شخصیتوں اور دو دوستوں کے ساتھ جہاں سے انہوں نے آئے۔ ان کے ساتھ کوئی دوسرا
 مثال کیے گئے ہیں جو ان روز بان وادی بہتیت کے ہیں۔ ۱۹۹۱ء
 (ماخوذ "سلسلہ بچوں کا" ۱۹۹۱ء)

سید ترائب الحسن

(سکرٹریٹ کے قابل ترین اعلیٰ عہدہ دار)

مجھے اپنی ملازمت کے دوران سکرٹریٹ میں بہت سے اعلیٰ عہدہ داروں سے سابقہ پڑا۔ اُن سے میرے دوستانہ مراسم بھی رہے ہیں۔ یہ سب کچھ میرے پیشہ کے طے ہونے کا انداز ایک دوسرے کے اعلیٰ عہدہ داروں کے ساتھ ہے۔ شائستگی، لہذب، بیوقوفانہ فرض شناسی تھے۔ یہاں سے ایسے بھی تھے جو اردو زبان و شعرو ادب سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ جنہیں تہذیبی روایات و اعلیٰ اقدار کا پاس تھا خاص طور پر اس طرح کے اعلیٰ آفیسر تلنگانہ سے تعلق رکھتے تھے۔ بعض دیگر آفیسر بھی اپنی روزانہ آوازی اور انسانیت دوستی میں اپنی آپ مثال تھے۔ سکرٹریٹ میں اساتذہ سکرٹریز تھے۔ ان کے گریف سکرٹریز ملک کے عہدہ داروں پر میری قلمی راہ نمائی میں بہ طور خاص حریف بل آفیسر تھے۔ میں نے ان کا دل سے شکریہ ادا کیا۔ ان کا سب سے اعلیٰ اثر تھا کہ ان کی غلام احمد بن کے بارے میں وہاں کے لوگوں کی رائے دینی بنی۔ اے عزیز، خواجہ محمد راجہ

صادق احمد، میشر احمد، رشید قریشی، سعد حسین سعد، دستگیر قریشی، نرنیدر
حسن الدین احمد، خالد انصاری، اے کے گوہل، اے وی رمناجاری وغیرہ۔ ان
آفیروں سے میرے مراسم کا ایک بڑا ذریعہ سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن بم
ان تمام عہدہ داروں نے جن میں چیف سکریٹری بھی تھے پرنسپل سکریٹری بھی
ڈپٹی سکریٹری بھی اور اسٹنٹ سکریٹری بھی۔ سکریٹریٹ اردو اسوسی اے
سے کسی نہ کسی شکل میں وابستہ تھے جناب یس لے قادر چیف سکریٹری اور
ایس کے پھاری لال چیف سکریٹری سرپرست اسوسی ایشن تھے بھارت چندک
غلام احمد۔ یس لے واسح، صادق احمد اور نواب حسن صدر اسوسی ایشن ہے
ہم نے سکریٹریٹ میں باہمی تعاون سے سکریٹریٹ میں اردو کا بہترین ماحول
نواب حسن صاحب، آئی اے ایس نے بھی صدر اسوسی ایشن کی حیثیت سے
سکریٹریٹ اسوسی ایشن کی بڑی خدمت کی۔ نواب حسن صاحب نے
پہلی ملاقات جگتیاں کے ایک کل ہند مشاعرہ میں ہونے جس کے وہ روح و
تھے نواب حسن صاحب اس زمانے میں تعلقہ جگتیاں لہ پراد منسٹر برسرِ رام پان
کی حیثیت سے کام کر رہے تھے اس مشاعرہ میں بیل اُتساہی اور سنگ زادہ
منظور نے بھی شرکت کی تھی۔ حیدر آباد سے ہم تمام شاعر بذریعہ موٹر کار مشاعرہ
میں شرکت کے لیے روانہ ہوئے تھے۔ جگتیاں سے ۱۰ میل پہلے ہمارا موٹر
نواب ہو گئی، مشاعرہ کا وقت قریب آ رہا تھا، ایک سواری کا مسئلہ پیش
آ رہا آخر کار ایک ایسی لاری ہمیں مل گئی جس میں کچھ دیر پہلے ہی کوئلہ اُتار
گیا تھا لاری میں کوئلے کے ریزر۔ کچھ دیر تھے اس کے باوجود ہمیں اس لاری

میں مقرر کیا گیا اس مشاعرہ کی صدارت سر ڈی این راجن آئی ایس نے کی تھی جو بعد
 میں چیف کلکٹر کے عہدہ پر فائز رہے تیرا بے سن صاحب ایک حریکیانی شخص کا
 نام ہے نہایت ہمدرد، معتبر، دوست قسم کے انسان ہیں قلندر زائی ان کا ایک اہم
 وصف ہے جیسا کہ احمد صاحب کو وظیفہ ہو گیا تو تیرا بے سن اڈیشنل ایگریکلچرل آفیسر
 کمشنر کو سکریٹریٹ آروڈ اسوسی ایشن کا صدر بنایا گیا، سوکسی ایشن کی سرگرمیوں نحو
 بیوان پٹرول کے مسئلے میں تیرا بے سن صاحب نے ہمیشہ اعانت کی کہ ضرورت مند
 ملازمین کی مدد کرنا ان کا وتیرہ تھا، صدارت میں نامی ایک صاحب کو کسی ایک میں
 شہر کے کاتھارکس ایجنسی پر ہو گیا تھا وہ جبہ تنگ و بھروسہ کی بنا پر یہاں ہوتا
 تھا یہی حال ان کا چاہتے تھے۔ ان کا بیان تھا کہ ان کی والدہ بیمار تھیں وہ
 انہیں پیوڑا کر تلخ پین نہیں ہٹا سکتے تھے کہ وہ کہنے لگے "ایک چاہی ہو پیرا جاوا
 سفورٹ ہو کر ملے ہے یہی تھے آپ کے پاس میں سنا چکا کہ آپ انسان ہاں ہوتا
 کی بنیاد پر بہت امداد، فیاضیاء کرتے ہیں۔ یہ سن کر اس شخص کی ساری
 باتیں سنیں اس کو نہایت دیدہ دیکھ لیا گیا پھر تیرا بے سن صاحب کے نام
 لکھا اور نوٹ پر اس پریشان حال شخص کی مدد کرنے کی خواہش کی، چند
 دنوں کے بعد وہ صاحب ٹھٹھائی کا ڈبہ لے کر میرے ہاں سکریٹریٹ آئے، میں
 نے دیکھا کہ اس وقت ان کی آنکھوں میں اٹھتا نہ کر کے آسوتھے۔

(کچھ حصہ ماخوذ "سلسلہ چودوں کا" ۱۹۹۲ء)

وینکٹ رمنا چاری

(اردو دوست - حیدر آبادی آئی اے ایس آفیسر)

میں جناب وینکٹ رمنا چاری کی سماجی، فلاحی، تہذیبی اور سرگرمیوں سے اُس وقت سے واقف ہوں جبکہ وہ ایڈمنسٹریٹو فنی قطعہ اربن ڈیولپمنٹ اتھارٹی کی حیثیت سے خاص طور پر پیرائے شہر میں شہرت و مقبولیت حاصل کر چکے تھے جب مجھے بعض پروگرامس میں اُن کے ساتھ کام کرنے کا موقع تو میرے خیالات کی تصدیق ہو گئی پتہ نہیں انہیں کس نے مشورہ دیا تھا کہ مشاعرے اور تہذیبی پروگرامس کے سلسلے میں مجھ سے تعاون حاصل کیا کریں۔

رمنا چاری فنی قطب شاہ آڈیٹوریم کے افتتاح کے موقع پر تہذیبی پروگرام کے ساتھ ساتھ مشاعرہ بھی منعقد کرنا چاہتے تھے۔ ایک ن سکرپٹری فنی قطہ اربن ڈیولپمنٹ اتھارٹی جناب ناز الہین نے فون پر بتایا کہ رمنا چاری صاحبہ مجھ سے فون پر بات کرنا چاہتے ہیں اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ فنی قطب شاہ آڈیٹوریم کی افتتاحی تقریب کے موقع پر ایک شاندار مشاعرہ کا اہتمام ہو۔ رمنا چاری صاحبہ سے فون پر گفتگو رہی۔ جناب بدیع النبیان مدیر سنیائی حیدر آباد میں

مشاعر سپہانے پر مشاعرہ منعقد ہوا جس میں تقریباً (۳۰) شاعروں نے کلام سنایا
 تھا۔ ان تمام شاعروں کو قلی قطب شاہ اربن ڈیولپمنٹ اتھارٹی کی جانب سے نشان
 اوڑھائی جاکر سنان کیا گیا۔ رہنما چاری صاحب سے میری دو شکریاں تھیں
 گو لکڑہ سوسائٹی کے کل ہند مشاعرہ کے انتظامات کے سلسلے میں قلی قطب شاہ
 اڈیشنویم میں ہوئی، اُس وقت جناب عابد علی خان صاحب، محبوب حسین جگر صاحب
 اور ڈاکٹر مومن لال نجم بھی موجود تھے میں نے محسوس کیا کہ انہیں حیدرآباد کی
 تہذیب اور اردو زبان سے کافی دلچسپی ہے۔ جب رہنما چاری صاحب ڈپٹی
 سکریٹری میونسپل ایڈمنسٹریشن کی حیثیت سے سکریٹریٹ آئے تو ان سے
 ملاقاتوں کا سلسلہ بڑھنے لگا اس زمانے میں اولڈ سٹی پوٹھ فیٹول منعقد ہونے والا
 تھا۔ ڈاکٹر سی نارائن ریڈی و اس چالسز تنگو یونیورسٹی کے مشورہ سے مجھے پوٹھ فیٹول
 کا سکریٹری نامزد کیا گیا۔ میں نے ان کے اعتماد کو بے قرار رکھتے ہوئے شبِ غفلت
 اور مشاعرہ کے انعقاد کی ذمہ داری قبول کی۔ جناب خواجہ بہار الدین شنب غزل اور
 تہذیبی پروگرام کے کنوینر بنائے گئے میسرز ہنیال سنگھ ورما اور رئیس اختر کنوینر
 مشاعرہ اور ڈاکٹر صادق نقوی سیکرٹری کے کنوینر مقرر ہوئے۔ مشاعرہ میں اردو ہندی
 کے زائد (۳۰) شاعروں نے کلام سنایا تھا یہ گنگا جمنی مشاعرہ نہایت کامیاب
 مشاعرہ میں شعراء کو نوٹس پیش کیے گئے اور سنان کے طور پر مثال اوڑھائی گئی۔
 میں نے لسانی ہم آہنگی کاشتوت دینے ہوئے اردو شاعروں کو دعوتِ سخن دینے
 کے لیے ہنیال سنگھ ورما کو اور ہندی شاعروں کو رحمت کلام دینے کے لیے رئیس اختر
 سے درخواست کی تھی یہ گنگا جمنی مشاعرہ نہایت کامیاب رہا مفیدی اعتبار سے بھی

اورسانی اعتبار سے بھی۔ مگر رونا چاری اردو شعروادب کی سرگرمیوں اور انہما
 سیر دگر اس کے انفراد کے سلسلے میں مجھ سے مشورہ کیا کرتے ہیں جبکہ وہ ڈاکٹر ک
 لمورین گئے ہیں اُن کی ذمہ داریوں میں اضافہ ہو گیا ہے انہیں مجھ پر اس قدر
 اگلی ہے کہ بعض پروگرام اس میری ذمہ داری پر پہلے طے کرتے ہیں اور بعد
 اس کی اطلاع دیتے ہیں، ماہ مئی میں دلی میں محکمہ تہذیبی امور کی جانب سے
 پروگرام طے کیا گیا اور یہاں سے (۸ افرکاروں) کو دلی بھیجا گیا پروگرام کے
 خواجہ بہاء الدین تھے انکی قیادت میں تمام فنکار دلی پہنچے اور شاندار پروگرام پیش
 رونا چاری صاحب کی خواہش پر ادارہ میرا شہر میرے لوگ کے زیر اہتمام بہ
 محکمہ تہذیبی امور، محکمہ اطلاعات عامہ اعلیٰ پیمانے پر ماہ مئی ۱۹۹۱ء میں سال
 پلیس میں اردو ہندی کا ملا جلا قومی یکجہتی مشاعرہ منعقد کیا گیا اس مشاعر
 بھی مشاعروں کا سہانہ کیا جا کر شاعروں کو نشان اوڑھائی گئی۔ اس مشاعر
 ۳۵ شاعروں نے کلام سنایا تھا مگر رونا چاری علامہ ملک گانہ سے تعلق رکھنے وال
 فرق شناس دوست نواز اور باصلاحیت جوان سال عہدہ دار ہیں۔ محکمہ ذہن
 امور کا جائزہ لینے کے بعد وہ بہتر سے بہتر پروگرام کی پیشین کشی کے لیے کوشش
 ہیں۔ رونا چاری صاحب سے میرے دو سالانہ مراکم ہیں۔ میں ان کے مزاج
 شناسی، طبیعت کی نفاست اور ان کے خلعانہ رویہ سے یہ حلافتاثر ہوا
 (ماخوذ از "سلسلہ پھولوں کا" ۶۱۹۹۲)

ڈاکٹر رشید موسوی

(ہندب خاتون - باوقار ادیبہ - بہترین استاد)

وہ لوگ جن کا تعلق علمی و ادبی گھرانے سے ہوتا ہے ان کی علمی خدمات کی روشنی میں ان کی شخصیت کی خوشبو معاشرہ میں کچھ اس طرح پھیل جاتی ہے کہ علمی ماحول میں سر و تازگی محسوس ہونے لگتی ہے تہذیب یافتہ شخصیتیں نہ صرف اپنی گفتگو، اپنے لب و لہجہ اپنے اندازِ مخاطب اور اپنی طرزِ حیات سے اپنے شانستہ و معتبر ہونے کا ثبوت پیش کرتی ہیں بلکہ ان کا دکھ رکھاؤ، ان کی اپنائیت اور ان کا خلوص اور ان کا شگفتہ طریقہ زندگی بھی قابلِ تحسین و لائقِ تقلید ہوتا ہے ایسے لوگ اپنی زندگی کے ہر موڑ پر بامراد کامران و کامیاب رہتے ہیں۔ ان کی زندگی صبح و شام کی خوشگوار ساعتوں سے عطرِ بہتر رہتی ہے۔ لوگ ان کی شرافت، ان کے خلوص، ان کی شائستگی، ان کے بائپین اور ان کی وضع داری کو خراجِ پیش کرتے رہتے ہیں اپنے ایک مخصوص تصبیحین مخصوص نقطہ نظر اور ایک خاص طرزِ حیات کو اپنانے والے لوگ تا عمر خوش

رہتے ہیں۔ زندگی کا چاہے کوئی بھی مسئلہ ہو وہ کسی بھی انداز سے کمبوں نہ
 پذیر ہو۔ سلیقے کے ساتھ سلجھاتے ہیں رہا کہ شہر میں روشن دماغ دل پر
 اور فکر و خیال کو تازگی بخشنے والوں کی ہر دور میں اہمیت رہی ہے با
 اور با صلاحیت لوگ زندگی کے ہر شعبہ میں مل جاتے ہیں لیکن کثرت میں وہا
 کی بات بھی کچھ اور ہوتی ہے۔ بالخصوص نوجوانوں میں کچھ زیادہ باشعور
 بھی شغفیں رہتی ہیں جن کے وجود کا احساس صرف چند مخصوص حلقوں میں ہا
 کرتا ہے مشاہدات و تجربات سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ کچھ لوگ
 اپنی صلاحیتوں کے اظہار میں بخل سے کام لیتے ہیں۔ اپنی صلاحیتوں سے پورا
 فائدہ نہیں اٹھاتے۔ اس طرح کے لوگوں میں صرف حضرات ہی نہیں خوا
 بھی ہیں۔ کچھ لوگ اپنی زندگی میں ناقابل فراموش کارناموں کی وجہ سے یاد
 جاتے ہیں جن کی وجہ معاشرہ ان کی شخصیت کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ ہا
 شہر میں حضرات کے ساتھ ساتھ ڈو آئین بھی علمی و ادبی تہذیبی و ثقافتی
 سرگرمیوں میں حصہ لیتی رہی ہیں آج بھی مختلف قسم کے فنون لطیفہ سے وا
 ہو کر جلیل القدر خدمات انجام دے رہی ہیں جبر آباد میں کچھ اہل قلم خوا
 ایسی بھی ہیں جو اپنی علمی و ادبی سرگرمیوں کو منظر عام پر لانے کے لیے ہر وہ
 رہا کرتی ہیں اور کچھ ایسی بھی ہیں جو خاموشی سے اپنی خدمات انجام دے رہی ہا
 بعض اہل قلم خواہین مسلسل دینی، علمی و ادبی سرگرمیوں کے سبب شہرت
 رکھتی ہیں تو بعض بہت کم اپنے قلم اور اپنی زبان سے کام لیتی ہیں لیکن ا
 کی شہرت باقی رہتی ہے اس زمرہ سے تعلق رکھنے والی ادیبہ ڈاکٹر فزیدہ

نے بھی اپنی طالب علمی اور شعبہ درس و تدریس سے وابستہ ہوتے کے بعد ادبی و
تہذیبی سرگرمیوں کو اس انداز سے رونق بخشی کہ ان کا تذکرہ آج بھی ادبی
محفلوں میں ہوتا رہتا ہے۔ شہر کا ادبی حلقہ ڈاکٹر رشید موسوی کی ادبی و علمی
صلاحیتوں سے واقف ہے اگرچہ وہ ادبی محفلوں میں بہت کم شریک ہوتی
ہیں بلکہ ہدئی ہی نہیں۔ ڈاکٹر رشید موسوی صاحبہ جاسعہ عثمانیہ کی ایک فہیم
طالبہ رہی ہیں ڈاکٹر صاحبہ طنز و مزاح کے ممتاز شاعر تھیں اللہ صاحب کی شریک
حیات ہیں ڈاکٹر رشید موسوی بھی زندہ دلان حیدر آباد کے ان ابتدائی
ارکان میں شامل ہیں جنھوں نے زندہ دلان حیدر آباد کی ترقی و ترویج میں
کافی دھچکی لی۔ فائن آرٹس اکیڈمی کی بھی رکن ہیں۔ چونکہ میں بھی زندہ دلان
حیدر آباد کا ابتدائی اراکین میں سے ہوں اس لیے اپنی واقفیت کی بناء پر
کہنے کے موقف میں ہوں کہ زندہ دلان حیدر آباد کے خصوصی اجلاسوں میں
ڈاکٹر صاحبہ کی رائے کو اہمیت دی جاتی تھی۔ ڈاکٹر رشید موسوی بہت کم بولتی
ہیں کم گو ہیں لیکن اپنے بہترین مشوروں سے زندہ دلان حیدر آباد کی سرگرمیوں
کو فروغ دینے میں معاون رہیں۔ وقت کی پابنداریہ ہیں ڈاکٹر صاحبہ
اہل قلم حضرات و خواتین میں قدر کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہیں ڈاکٹر موسوی
حیدر آباد کی ایک مشہور و معروف خواتین کی محفل، محفل خواتین سے بھی اپنا قلمی
رشتہ رکھتی ہیں محفل خواتین کے بعض جلسوں میں شرکت کر چکی ہیں محفل خواتین
کے سالانہ ادبی میگزین میں ان کی تحریریں شامل ہوتی رہی ہیں روزنامہ
سیاست میں بھی ان کے خاص ادبی مضامین شائع ہوتے رہے ہیں خشک و

میں طنز و مزاح سے تعلق رکھنے والے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں ڈاکٹر رشید موسوی جس زمانے میں وینکٹا راماریڈی ویمینس کانلج میں صدر شعبہ اردو تھیں ایسا شاندار و یادگار مشاعرہ کا اہتمام کیا تھا جس میں شہر کے نامندہ شعروں نے شرکت کی تھی۔ ناصر کرتونی اور میں نے بھی شرکت کی تھی میری شاعرانہ زندگی میں دینتا ہما و دیالیہ کے یادگار مشاعرہ کی طرح ریڈی کانلج کا بھی مشاعرہ تھا جس میں صرف اساتذہ اور طالبات شریک تھیں۔ شہر کے دوسرے کانلجوں میں بھی مشاعرے ہوتے رہے ہیں لیکن ریڈی کانلج کی سرگرمیاں کچھ کم عروج پر نہیں تھیں۔ ریڈی کانلج کی طالبات کو میں نے مختلف ادبی مقابلوں میں حصہ دیتے ہوئے اور کامیاب ہوتے دیکھا ہے ڈاکٹر رشید موسوی کی شخصی دلچسپی کی سبب سے طالبات کی ایک بڑی تعداد ایسی تھی جو اردو زبان و ادب سے دلچسپی رکھتی تھی ڈاکٹر صاحبہ کے کانلج میں سلی اینڈ گرائی بھی اردو کی پچھریں تھیں جو ہمیشہ ریڈی کانلج کے ادبی جلسوں اور مشاعروں میں دلچسپی لیتی رہیں جمائین اللہ صاحبہ ڈاکٹر رشید موسوی کی شاہی ہونے کے بعد بھی وہ ادبی جلسوں میں شرکت کیا کرتی تھیں اب بہت کم شرکت کرتی ہیں۔ ڈاکٹر رشید موسوی سے میری پہلی ملاقات دیمینس کانلج کے مشاعرہ میں ہوئی تھی آنحضرتؐ یاد ہے شاید کسی اور مشاعرہ میں بھی ملاقات ہوئی ہوگی۔ زندہ دلان حیدرآباد کے اجلاسوں میں بھی ملاقات ہوئی رہی۔ کبھی ادبی جلسوں میں وہ موجود رہیں تو علیک سلیکسا ہو جاتی ہے سچا بہت احسان اللہ سے اکثر فون پر گفتگو ہوتی رہتی ہے کبھی کبھی ڈاکٹر رشید موسوی سے بھی فون پر گفتگو ہو جاتی ہے ڈاکٹر رشید موسوی نہایت باوقار و معجز

خانوں میں حمایت الہد اور ڈاکٹر شبید موسوی چلے گئے اور چاہے جانے والے
مبیاں بیوی ہیں ایک دوسرے کا بہت خیال رکھتے ہیں دونوں کے مزاج
میں ہم آہنگی ہے نہایت پُرسکون زندگی گزار رہے ہیں حمایت الہد صاحب
اعلیٰ صلاحیتوں، اعلیٰ کردار، بے مثال خلوص و مروت کی ایک ایسی علامت
ہیں جس کی روشنی دُور دُور تک پھیلی ہوئی ہے ڈاکٹر موسوی عابد علی خان
صاحب کی رہائش گاہ پر مستعدہ بعض ادبی و شعری محفلوں میں شرکت کر چکی
ہیں شبکہ بانو اور عزیز وارثی کے پیروگروں میں بھی شرکت کی ہے فیض
احمد فیض اور اس طرح کے مشاہیر اُدو کو مدعو کیے جانے کے موقع پر ڈاکٹر
صاحبہ کو بھی مدعو کیا جاتا رہا ہے حمایت الہد صاحب اس طرح کی محفلوں کے
انعقاد میں عابد علی خان صاحب سے بھرپور تعاون کیا کرتے تھے۔ ڈاکٹر
موسوی شعر و ادب کی محفلوں میں بہت کم شرکت کرتی ہیں لیکن جب آباد
کے تقریباً تمام نامور قلم کاروں سے واقف ہیں چونکہ ڈاکٹر رشید موسوی
شعر و ادب کی دنیا سے بالے خبر نہیں ہیں اس لیے ہر اچھے قلم کار کے بارے میں
ان کے تاثرات لیتے ہیں ڈاکٹر موسوی کی تحریروں میں بے ساختگی ہے زبان و
بیان کا خاص خیال رکھتی ہیں ان کی بعض تحریروں میں ادبِ عالیہ کا ایک حصہ سمجھی
جاتی ہیں ان کا نثری لب و لہجہ سادہ و فاری کو متاثر کرتا ہے ڈاکٹر صاحبہ
شہر کی بعض میجاری اجتماعات سے وابستہ ہیں نام و نمود سے بہت دور رہتی
ہیں محتاط روی، سلیف شعاری اور کم آئیزی کو ترجیح دیتی ہیں ڈاکٹر رشید
موسوی کا قلم اگرچہ ان دنوں رواں دواں نہیں ہے لیکن اس سے کچھ زیادہ

فرق نہیں پڑتا کہ ان کے طالب علمی کی پُر وقار ادبی سرگرمیوں اور اسناد
 حیثیت سے ان کی شعری و ادبی مصروفیات کو خراج پیش کیا جاتا ہے۔
 ڈاکٹر رشید موسوی ۹ جولائی ۱۹۳۲ء کو حیدرآباد کے علی و ادبی گھرانے میں
 ہوئے۔ ڈاکٹر رشید موسوی نے گریجویٹ اسکول نامپلی سے میٹرک کامیاب
 کیا۔ وہمیں کانج سے بی اے اور آرٹس کانج جامعہ عثمانیہ سے ایم اے کیا۔
 سال اول میں بزم اردو کی معتمد تھیں۔ بی اے سال دوم میں بزم اردو کی
 میں شام غزل، مشاعرہ، یوم غالب، بیت بازی اور تقریری و نثر
 مقابلے منعقد کروائے۔ تقریری، نثریری، بیت بازی کے مقابلوں
 میں حصہ لیا اور انجام بھی حاصل کیا۔ آرٹس کانج میں ایم اے فائنل میں
 بزم اردو تھیں۔ آرٹس کانج جامعہ عثمانیہ میں اردو کی سرگرمیوں کے فروغ
 ڈاکٹر رشید موسوی کا خاص حصہ رہا ہے۔ پہلے یوم محمد قلی قطب شاہ
 ٹیبلو ز پیش کیے تھے۔ بہ حیثیت طالب علم ہیئت ازباده سرگرم عمل رہے
 کانج میگزین میں پابندی کے ساتھ مرزا بین شائع ہوتے تھے۔ بین اکیڈ
 تقریری مقابلوں میں کئی اخلاعات حاصل کیے۔ بہ حیثیت لکچرر ریڈی
 میں بے شمار مشاعرے کروائے۔ قراق، مخدوم، شاید صدیقی، راہی صہ
 رضا اور بہت بڑی بڑی علمی و ادبی شخصیتوں کو کانج میں جلسے منعقد
 کروا کر مدعو کیا۔ مزاجیہ محفل ادب اور مشاعرہ بھی کروایا۔ جس میں ورا
 ہیو مرل کا نفرین میں آئے ہوئے کئی شاعروں و ادیبوں کو مدعو کیا۔
 دُنڈا نے بھی کانج کے شاعروں میں کلام سنایا۔ ممتاز مزاح نگار بھارت چندک

اور جناب سرنیدر ہونصر بھی کئی بار کالج آئے تھے۔ ۱۹۶۱ء میں اردو پھر رہا ہوئیں۔ امتیازی حیثیت سے ہلے پاس کیا۔ درجہ اول میں ایم اے کا بیاب کیا۔ مرتبہ اور عزاداری (۱۹۵۷ء - ۱۹۵۷ء) کے موضوع پر پی ایچ ڈی کی ۱۹۶۳ء میں ڈگری لی۔ ملک کی کئی اردو اکیڈمیوں نے ان کی کتابوں کو ایوارڈ دیئے۔ ڈاکٹر صاحبہ کی کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) مرتبہ اور عزاداری (۳) کاغذی سیرین (۳) مزاجہ نظلیں اور غزلیں۔ اردو اکیڈمی یوپی اور اردو اکیڈمی آندھرا پردیش نے ان کی کتابوں کو انعامات سے نوازا۔ ڈاکٹر صاحبہ نے دہلی کتب بھی مرتب کیئے ہیں حکومت آندھرا پردیش نے ۱۹۹۱/۹۲ء میں بسٹ پیپر ایوارڈ سے نوازا ڈاکٹر صاحبہ شہر کی علی وادلی انجمنوں سے وابستہ رہی ہیں۔ سبھارک اور سمپوزیمس میں حصہ لے چکی ہیں ڈاکٹر صاحبہ اردو اکیڈمی آندھرا پردیش کی رکن بھی رہی ہیں انجمن ترقی اردو، زندہ دلاں حیدر آباد، فائن آرٹس اکیڈمی سے وابستہ ہیں۔ آئی انڈیا ریڈیو سے بیسیوں پروگرام لے چکی ہیں دور رس سے بھی پروگرام پیش کر چکی ہیں بعض شخصیتوں کے علی وادلی کارنامے کچھ اس طرح کے ہوتے ہیں کہ اردو معاشرہ ان کا مہونہ منت رہا کرتا ہے۔ میں ڈاکٹر رشید موسوی کی شخصیت اور ان کی خاموش ادبی سرگرمیوں کو دل کی گہرائیوں کے ساتھ خراج پیش کرتا ہوں۔

نیمہ شراب الحسن

(سلیم الطبع - شریف النفس - صاحب طرز قلم کار)

حیدر آباد میں زبان و ادب کی خدمت کرنے والوں میں جہاں مرد فن کاروں کی بے شمار ہے وہیں خاتون اہل قلم کی بھی کمی نہیں ہے آج بھی حیدر آباد میں مختلف علوم و فنون سے دلچسپی رکھنے والی ایسی قلم کار خواتین موجود ہیں جن کی ادبی و شعری خدمات کے کافی چرچے ہیں۔ کچھ تو ایسی قلم کار ہیں جو شعری و ادبی محفلوں میں سرگرم عمل ہیں اور کچھ ایسی ہیں جو اپنی کلم آمیزی کی وجہ سے شعروادب کی محفلوں سے زیادہ قربت نہیں رکھتیں لیکن جہاں تک ان کی خدمات کا تعلق ہے ان کا ادبی سفر جاری ہے جو اپنی بہترین تحریروں اور عمدہ شاعری سے نوازتی رہتی ہیں۔ ادبی گھریلو مصروفیات کو نہایت سلیقے سے انجام دیتی ہوئیں قرطاس و قلم کی دنیا میں بھی اپنی آزاد صلاحیت کا مظاہرہ کرتی ہیں۔ نام و نمود کا پروا کیے بغیر اپنے قلم کی پرورش کر رہی ہیں اس طرح کی ایک صاحب طرز

جلیم الطبع، وضع دار، ہند ب خاتون نسیم نرالی حسن بھی ہیں جن کی تحریریں غزلیں اور نظمیں ہائنامہ سب رس، خوشبو کا سفر اور شگوفہ میں بھی شائع ہوئی رہتی ہیں کسی زمانے میں سلیمان اریب کی ادارت میں شائع ہونے والے منفرد ادبی رسالے ہائنامہ صبا میں بھی ان کے مضامین شائع ہو کر نکلے۔ میں نے نسیم نرالی حسن صاحبہ کا ایک مضمون ادبی رسالوں میں سب سے پہلے صبا میں پڑھا تھا نسیم نرالی حسن صاحبہ منتخب علمی و ادبی و تہذیبی محفلوں میں شرکت کرتی ہیں۔ محفل خواتین کی رکن ہیں۔ ان کی تحریروں اور شاعری سے اہل محفل تخطوط ہو کر رہے ہیں نسیم صاحبہ کے مضامین (خاکے، اٹائیے وغیرہ) پیراثر ہوتے ہیں زبان و بیان کا خاص خیال رکھتی ہیں۔ ان کی تحریریں، صاحبان علم و دانش سے خراج حاصل کر چکی ہیں۔ تقریباً ۳۰، ۳۵ برس سے ان کا فکلی سفر جاہد علیہ حیدر آباد کے علمی و ادبی گھرانے کی بہو ہیں۔ جناب سید نرالی حسن (اٹائیے) سابق کمشنر اوقاف (سکرٹریٹ) کی شریک حیات ہیں۔ ادبی جلسوں میں اکثر دونوں ساتھ ساتھ آتے ہیں۔ نسیم نرالی حسن شاعرہ بھی ہیں غنہ لیس بھی کہتی ہیں نعین، سلام اور منفیت بھی۔ عام محفلوں میں بہت کم اپنا کلام سناتی ہیں البتہ محفل خواتین کے ہر مشاعرہ میں حصہ لیتی ہیں۔ اپنے بیشتر مضامین محفل خواتین میں پیراثر چکی ہیں ان کی شاعری کلاسیکی شعری ادب سے گہرا رشتہ رکھتی ہے۔ ان کا شاعرانہ لب و لہجہ، تشبیہ و تشکلف اور پیراثر ہے شعر غنم میں سناتی ہیں۔ مجھ سے بھی کبھی مشورہ سمن کیا کرتی

ہیں۔ ان کے شوہر محترم تراب الحسن صاحب سے میرے دبیرینہ مراسم ہیں۔
 تراب صاحب سکرٹریٹ اردو اسوسی ایشن کے تقریباً دس برس تک صدر
 نشین رہے جبکہ میں بانی جنرل سکرٹری تھا۔ تراب صاحب کی خدمات
 اسوسی ایشن کی بہترین سرگرمیوں کے لئے ہمیشہ معاون رہیں۔ تراب صاحب
 بھی یہ ذات خود نہایت شریف النفس انسان ہیں نہایت شکستہ
 سلمی ہوئی طبیعت کے مالک ہیں شعری، ادبی و تہذیبی محفلوں میں ان
 کی موجودگی سے محفل کے رنگ و روپ میں اضافہ ہوتا ہے۔ نہایت
 مہذب، آداب محفل کو محفوظ رکھنے والی شخصیت ہیں نہایت سادہ
 طبیعت، مسکراتے ہوئے اپنی شام و سحر کے لمحوں کو ذرا شاں بنادیتے
 ہیں۔ تراب صاحب نہ تو شاعر ہیں اور نہ ہی ادیب۔ لیکن انہیں
 شعر و ادب کا اعلیٰ ذوق ہے یا رباش، محفل کے آدمی ہیں۔ نیمہ
 تراب الحسن کی ازدواجی زندگی نہایت کامیاب اور چھوٹوں میں تلنے
 والی ہے۔ نہایت مطمئن زندگی گزار رہے ہیں نیمہ تراب الحسن مشہور و
 معروف سبشن جج جناب غلام بیچمن کی بہویں ان کے بڑے جیٹھ
 عالمی شہرت یافتہ شخصیت علی بیچمن صاحب سابق سفیر امریکہ ہیں۔
 نیمہ تراب الحسن حیدر آباد کی ادبی محفلوں میں قدر کی نگاہوں سے دیکھی
 جاتی ہیں۔ ان کی شائستہ مزاجی نے ان کی شخصیت کو پروان چڑھا دیا
 ہے۔ اگر کسی محفل میں شرکت کرنی ہو تو وقت پر آتی ہیں اور محفل کے
 اختتام تک شریک رہتی ہیں۔ آداب محفل سے پوری طرح واقف ہیں

محل خواتین سے وابستہ تمام خاتون ادیبوں اور شاعرات سے ان کے اچھے خاصے مراکم ہیں۔ نہایت سادہ طبیعت اور منکسر المزاج ہیں۔
 نسیم صاحبہ کی تحریریں اردو ادیب میں محفوظ رہنے والی تحریریں ہیں۔
 ان کے مضامین کافی توجہ کے ساتھ سنے اور پڑھے جاتے ہیں حمید رباب کو یہ فخر حاصل ہے کہ نسیم تراب الحسن جیسی لائق و فائق خاتون ادیبہ اپنے رشتہاتِ قلم سے دامنِ شمع و ادب کو سرسبز و شاداب کرنے میں مصروف ہیں نسیم تراب الحسن کا تھال گوئی شعری مجموعہ شائع نہیں ہوا ممکن ہے کہ بہت جلد شائع ہوگا۔ سیاست اخبار میں ان کے مضامین مختلف موضوعات پر اشاعت پذیر ہوتے ہیں کبھی کبھی ان کا کلام بھی شائع ہوتا ہے نسیم تراب الحسن سے میں ان کی تحریروں کی وساطت سے واقف ہوا جیسا کہ میں نے لکھا ہے کہ ان کا مہنون میں نے کئی برس پہلے ”صبا“ میں پڑھا تھا۔ ان سے میری شخصی ملاقات ادبی جلسوں کی معرفت ہوئی۔
 تراب الحسن صاحبہ کے ہمراہ وہ محفلوں میں شریک رہا کرتی ہیں نسیم صاحبہ سے زیادہ ترفون پر بات ہوتی ہے تراب صاحبہ سے گفتگو کے لئے فون پر پہلا رابطہ نسیم صاحبہ سے رہتا ہے سکرٹریٹ اردو اسوسی ایشن کے سلسلے میں تراب صاحبہ سے اکثر و بیشتر فون پر گفتگو ہوا کرتی تھی نسیم صاحبہ ایوانِ اردو کی محفلوں میں بھی شریک رہتی ہیں بلکہ بعض جلسوں میں انہوں نے اپنے مضامین بھی پڑھے ہیں۔ اردو ماں میں ہونے والی انجمن ترقی اردو کی محفلوں میں بھی شریک رہا کرتی ہیں نسیم صاحبہ ادارہ

بہر اشتهار یہ لوگ کی محفلوں میں بھی شرکت کیا کرتی ہیں۔ بانی محفل خولیتہ محترمہ عظمت عبد القیوم کی یاد میں ہر سال منائی جانے والی ادبی تقریب پر لازماً شرکت کرتی ہیں نثر اب الحسن صاحب بھی ان کے ہمراہ رہتے ہیں۔ یادِ ا عظمت عبد القیوم کی بعض محفلوں میں عظمت عبد القیوم کو اپنی منفرد تحریر کے ذریعہ خراج پیش کیا ہے اس سال عظمت عبد القیوم کی ۱۳ ویں برسی کے موقع پر منعقدہ ادبی جلسے میں بھی انہوں نے نہایت پُر اثر مضمون پڑھاتھا۔ نسیم نثر اب الحسن اگرچہ علمی و ادبی، شعری و تہذیبی محفلوں میں شرکت کرتی ہیں لیکن ان کے رکھ رکھاؤ میں گھریلو پن نمایاں ہے نہایت سادہ لباس زیب تن کرتی ہیں اپنے ہر ملاقاتی سے نہایت خوش اخلاقی کے ساتھ ملاقات کرتی ہیں ادبی محفلوں میں جہاں جگہ مل جاتی ہے بیٹھ جاتی ہیں صفِ اول یا صفِ دوم میں بیٹھنے کی کبھی ان کی خواہش نہیں بلکہ ان میں بانی محفل ان کی ادیبانہ قدردانی سمیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے محفل کی اگلی صف میں بٹھاتے ہیں۔ نسیم صاحبہ کا شعری و ادبی ذوق نہایت نکھر اُستھر ہے اچھی اچھی معیاری کتابوں کے مطالعے نے ان کی صلاحیتوں کو کافی نکھارا ہے چونکہ وہ ایک فطری ادیبہ ہیں اس لئے ان کی تحریروں میں بے ساختگی نمایاں ہے ان کی تحریروں کا کوئی ایک جملہ بھی صفحہ قسط اس پر جبراً جگہ نہیں پاتا۔ خیالات کے بہاؤ کے ساتھ بہترین جملے اپنے صحیح مقام پر اپنا حق ادا کرانے میں۔ بانی کہتے سننے کی "نثر میں ان کی پہلی کتاب ہے جو ۳۵ مضامین پر مشتمل ہے

اس کتاب کا انتخاب اپنے شوہر محترم تریاب الحسن صاحب کے نام اس شعر سے کیا ہے۔ ع

تمہارا نام سے سب لوگ مجھ کو جان جاتے ہیں
میں وہ کھوٹی بیوی اگ چیز ہوں جس کا پتہ تم ہو
نسبہ صاحبہ حیدر آباد کی صف اول کی صاحب طرز ادیبہ نامور
استاد جامعہ عثمانیہ ڈاکٹر زینت ساجدہ کی شاگرد رہی ہیں نسبہ تریاب الحسن
کے بیشتر مضامین آل انڈیا ریڈیو سے بھی نشر ہو چکے ہیں ان کے پاس
مضامین کا کافی ذخیرہ ہے بہت ممکن ہے اس اہم کتاب کے بعد ایک اور
عہدہ سوغات ادبی حلقوں تک پہنچ جلد پہنچ جائے۔

نسبہ صاحبہ نے روزمرہ زندگی کی کیفیات کو نہایت سلیقے کے
ساتھ پُر اثر انداز میں قلم بند کیا ہے سیدھے سادے انداز میں اپنی بات
کہنے میں مہارت رکھتی ہیں مشہور افسانہ نگار و نامور دانشور علی باقر کی
بہن ہیں۔ نسبہ تریاب الحسن کا تعلق پوپی کے ایک زمین دار گھرانے سے ہے ان
کی پرورش میرٹھ میں ہوئی ان کے والد محترم کا نام سید آفتاب حسین ہے جو
اپنے دور کے قابل دانشوروں میں شمار کیے جاتے تھے۔ ان کی والدہ ذکیہ
بیگم انواب حسن الملک کی بھینجی تھیں ۱۹۴۷ء کے بعد نسبہ صاحبہ کے اہل
خاندان حیدر آباد آئے یہاں ان کے بچپال کے کئی افراد آصف جاہی
حکومت میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ جب وہ حیدر آباد آئیں تو ان
کی عمر ۶۷ سال کی تھی۔ ان کا سارا خاندان علم و ادب کی دولت سے

مالا مال ہے ان کے والد چچا پھوپھی بھی اچھے شاعر تھے حیدر آباد کی محفلِ
 خوانین سے وابستہ کرنے میں ڈاکٹر زینت ساجدہ کی دلچسپی کا بیڑا دخل ہے
 نسیم تراب الحسن صاحبہ کا ادبی سفر جاری ہے یقیناً ان کا یہ ادبی
 سفر پوری تابناکی کے ساتھ جاری رہے گا اور ان کی تحریروں سے
 دامنِ ادب میں نئے نئے رنگ کے پھول کھلتے رہیں گے اور سارا
 چین اُردو دھکتا رہے گا۔

محمد ظہیر الدین احمد

(ماہرِ اقبالیات - اعلیٰ ظرف و وسیع النظر شخص)

شہر کے ایک جتنا نہ جانی جگہ چلنے پتہ نہیں وہ کس موڑ میں تھے ایک دن اپنے کام کے دوران مجھ سے کہا تھا کہ شریف لوگوں کی بہت کمی ہو گئی ہے، شاید انہیں کسی کی کوئی بات یاد آگئی ہو کسی بات سے زچ ہو کر کبھی اس طرح کی باتیں کہی جاتی ہیں۔ ممتاز صحافی کی اس جھنجھٹی ہوئی بات پر میں نے جیب غور کیا تو غور کرتا ہی چلا گیا۔ جب کبھی معاشرہ کے مہذب لوگ، سوسائٹی کی بہتری کے بارے میں سوچتے رہتے ہیں، چاہتے ہیں کہ ہر شخص پُر سکون زندگی گزارے۔ لیکن کچھ عوامل و عناصر منفی سرگرمیوں کے آکر کار بنے ہوئے اچھے خاصے ماحول کو بگاڑ دیتے ہیں۔ احوال کی خوشگوار فقہار کو مکہ زبنا دیتے ہیں لیکن اس طرح کے لوگوں کی سازشی عمر لمبی نہیں ہوتی ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ اخطا ط پذیر ہو جانے میں اخلاقی اعتبار سے بھی اور ذہنی طور پر بھی۔ میں تو یہ کہتا ہوں مسائل کے ساتھ انسان کو زندہ رہنا چاہیے ورنہ ساری زندگی صرف

زندگی چھاؤں کی مثل کشتی نظر آئے گی کچھ اعلیٰ صفات، مصلح قوم و ملت، سوسائٹی
 کی معتبر شخصیتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو اپنے ایک خاص مقصد جہاں کی تکمیل کے
 لئے ساری عمر سرگرواں رہتی ہیں۔ ان کی زندگی کا ایک ایک پل مصلح و آشتی
 شرافت و نجابت، انسانی رشتوں کی پاسداری اور قوم و ملت کی سرخ روی
 کے لیے مصروفِ عمل رہتا ہے و اختتام ایسے لوگ جو ایک خاص مقصد برآری کے
 لیے ہم تن مصروف رہتے ہیں وہ سوسائٹی کی نامندہ شخصیتوں میں شمار کیے جاتے ہیں
 اور خاص طور پر ایسے لوگ جو نائنچ ماہوں سے دو درہنہ ہوئے اپنی ذاتی
 شہرت سے پرہیز کرتے ہوئے بہت کچھ ہونے کے باوجود بھی
 انکاری کا پیکر بنے رہتے ہوں وہ چشم بصیرت و بصارت کی ایک مقدار
 امانت کی طرح لوگوں کی نظروں میں رہتے ہیں اس طرح کے اعلیٰ ظرف مستودہ
 صفات، باکردار، بااخلاق، بامروت، شرافت نواز، محبت پسند لوگوں
 میں ماہر اقبالیات محمد ظہیر الدین احمد بھی ہیں جو دیوانے وار ایک ہی مسلک
 سے وابستہ اپنی زندگی کا سفر طے کر رہے ہیں اور وہ اعلیٰ مقصد علامہ اقبال
 کے فکر و خیال کو باشعور لوگوں تک پہنچانا اور اقبال شناسی اور اقبال پرندی
 کا عملی ثبوت دینا ہے۔ میں ظہیر الدین صاحب کی اقبال شناسی کے جذبہ
 خلوص کی دل و جان سے قدر کرتا ہوں۔ بہت کم ایسے لوگ ہوتے ہیں جو دیوانہ
 داری کے ساتھ اپنے مخصوص ذہن و فکر کا آبیاری میں مصروف رہتے ہیں ظہیر الدین
 صاحب اقبال اکیدہ نبی کے روح رواں ہیں۔ میں گزشتہ ۲۰ برس سے انہیں دیکھتا
 آ رہا ہوں۔ اقبال سے ان کی محبت کو محسوس کرنا آ رہا ہوں اقبال کے علمی و ادبی

کاموں سے ان کی دلچسپی کو لیندہ نزارا ہوں۔ نہ جانے کتنے لوگوں کو ظہیر الدین صاحب
 نے اپنے نقش قدم پر چلنے کے لیے راہ ہوار کی ہو گئی۔ میں ظہیر الدین صاحب کو
 بہت قریب سے جانتا ہوں یہ ضروری نہیں ہے کہ کسی شخص کی خوبیوں
 کو پرکھنے کے لیے ساری عمر اس کے ساتھ لپکا جاوے۔ کچھ ملاقاتیں بھی کچھ ایسا
 ناشر چھوڑ جاتی ہیں جو تاجات باقی رہتی ہیں۔ ظہیر الدین صاحب جیسے نفیس
 انسانوں سے لمبی رفاقت قطع ضروری نہیں ہے دو چار ملاقاتیں ہی ان کو کچھ
 پرکھنے کے لیے کافی ہوتی ہیں۔ میں اپنے تجربات کی روشنی میں یہ کہنے کے موقف میں
 ہوں کہ جن لوگوں سے برسوں سے میری شناسائی ہے دو تھلے ان کے مقابلے میں کچھ
 لوگوں سے کم کم ملاقاتوں اور کم کم دوستی کی یا وجود یکساں طور پر دونوں میرے
 گوشہ بدول میں جیلوہ فرما رہتے ہیں کچھ شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کی ایک ہی
 جھلک یہ احساس دلاتی ہے کہ برسوں سے ان سے شناسائی ہے اور یہ
 کم کم ملاقاتوں کا احساس جب قوی ہو جاتا ہے تو فاصلوں میں قربت کا لطف
 آ جاتا ہے پھر ایک ایسا شخص جس کی ساری زندگی علم و عرفان، تہذیب و ثقافت
 کی آئینہ دار ہو اس سرسری مراسم ہی سہی وہ شخص دل سے دور نہیں رہتا
 اور جہاں کہیں بھی مثبت افکار کی بات نکلتی ہو، اُجاڑوں کا تذکرہ ہوتا ہو
 نیکیوں اور خیر ہوں پر تبصرے ہونے ہوں تو ایسے علمی، دینی، مذہبی،
 تہذیبی، ادبی ماحول میں ظہیر الدین صاحب جیسے لوگوں کی خودیہ خود یاد آتی
 ہے۔ مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ میری ملاقات ظہیر الدین صاحب سے
 بہت کم ہوتی ہے لیکن کم کم ملاقاتوں کا نشہ کچھ اس طرح میرے وجود پر

جب کبھی مجھے علامہ اقبال کے کسی شعر یا نظم کے بارے میں پوچھا ہوتا تو ان سے
 ربطارتہا ہے۔ کلام اقبال کے بعض شعر کے بار میں پوچھا ہوتا تو وہ اپنے حافظہ
 پر کھروسہ کرتے ہوئے کلمات اقبال دیکھنے کے بعد ہی جواب دیتے تھے۔ ظہیر الدین
 صاحب نہایت ذمہ دار نہایت علم دوست انسان ہیں میری منہ بولی بہن صاحبہ
 الطاف کی ایک کتاب ”آؤ اقبال سے ملیں“ زیر اہتمام اقبال اکیڈمی شائع ہو چکی ہے
 اس کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں ظہیر صاحب نے مکمل تعاون کیا تھا۔ ظہیر صاحب کی
 مگرانی میں صوری و معنوی دونوں حیثیت سے شاہکار کتاب شائع ہوئی ہے جس کی رقم
 اجراء تقریباً بیس لاکھ میراثہ میرے لوگ کی جانب سے مولانا ابوالکلام آزاد
 انسٹیٹیوٹ میں منعقد کی گئی اس تقریب کو شہر کے مشاہیر اردو نے مخاطب کیا تھا
 جس میں ظہیر الدین صاحب بھی شامل تھے۔ ظہیر الدین صاحب خالص علمی و ادبی آدمی ہیں
 اگرچہ وہ محکمہ سیرت کے عہدہ دار رہ چکے ہیں ظہیر الدین صاحب نے اپنی ذاتی کوششوں
 سے مانصاحب ٹینک کے قریب ایک بلڈنگ میں اقبال اکیڈمی کے زیر اہتمام
 ایک لائبریری قائم کی ہے اس لائبریری کی ترقی کے لیے دس لاکھ روپے مکان
 محنت کر رہے ہیں خدا کا شکر ہے کہ انہیں علمی و ادبی حلقوں سے تعاون حاصل ہو رہا ہے
 ان کے اس نئے کام کو قدر کی نگاہوں سے دیکھا جا رہا ہے۔ محمد ظہیر الدین احمد نام ہے ان کے
 والد کا نام مولوی محمد بشیر الدین احمد ہے ۲۵ جنوری ۱۹۳۸ء کو حیدرآباد میں پیدا ہوئے
 جامعہ عثمانیہ سے بی اے (انگریزی) کا بیاب کیا۔ ان کی کتابوں کے نام یہ ہیں۔ اقبال
 کشش اور گریز (پروفیر عالم خود میری) افکار تازہ (مضامین پروفیر صلاح الدین
 اقبالیات ماجد) مولانا عبد الماجد دریا بادی کے مضامین کا مجموعہ ہے۔

ڈاکٹر لیلیٰ صلاح

(مشرقی تہذیب کی نمائندہ خاتون قابلِ استاد و ادیبہ)

معلم معاشرہ سے وابستہ بعض اہل قلم خواتین جو اپنے رکھ رکھاؤ، اپنی شائستہ طرزِ حیات اور ایک اچھوتی ادبی پہچان کے ساتھ شہرت رکھتی ہیں، ہمارے شہر میں موجود ہیں جن پر ہم فخر محسوس کرتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ اس طرح کی معزز، مغنیز اور باصلاحیت خواتین صرف شعبہ شعروادب سے تعلق رکھنے والی ہیں بلکہ مختلف شعبہ زندگی میں بھی ہمیں مل جاتی ہیں۔ ڈاکٹر لیلیٰ صلاح مشرقی تہذیب سے وابستہ، شائستہ اقدار اور اعلیٰ ذہن و فکر کی آئینہ دار ہیں جو اپنے پورے وقار کے ساتھ شعروادب کی دنیا سے وابستہ ہیں۔ ڈاکٹر لیلیٰ صلاح نہ صرف ایک نامور ادیبہ، بہترین استاد بلکہ ایک تہایت عمدہ خاتون ہیں جنہیں شعروادب کے ماحول میں بھی قدر و منزلت حاصل ہے جہاں کہیں بھی ڈاکٹر لیلیٰ صلاح کا ذکر آتا ہے وہاں کے ماحول میں سنجیدگی، شرافت، نفاست اور شائستگی کی رعنائیاں جلوہ افروز رہا کرتی ہیں آداب گفتگو

شرافت کی خوشبو، فکر و خیال کی روشنی اس بات کی غازی ہے کہ وہ تہذیب
 معاشرہ کی ایک معزز خاتون ہیں جن کے اسلاف اور موجودہ لیل خاندان
 برگزیدہ اور شرافت نواز ماحول کے پروردہ ہیں۔ ڈاکٹر لیلیٰ صلاح کی نرم گفتاری
 مسک خرامی، محتاط روی، شائستہ طرز تکلم اور آداب نشست و برخاست
 ان کی شخصیت کی اعلیٰ خصوصیات ہیں۔ جلد رآباد میں خاص طور پر وہ اہل
 خوانین جو اردو زبان، اردو شعر و ادب اور اردو تہذیب سے وابستہ ہیں ان
 میں سے بہت سوں کو میں نہ صرف جانتا ہوں بلکہ ان کے علمی و ادبی کارناموں سے
 بھی واقف ہوں اور معاشرہ میں ان کا کیا اثر ہے اس سے بھی واقف ہوں
 ان میں سے بیشتر اہل قلم خوانین سے میرے شاعرانہ و ادیبانہ مراسم ہیں ان ہی
 پر میں اپنے تاثرات پیش کر چکا ہوں اور شخصی تاثرات کا یہ سلسلہ جاری ہے
 ڈاکٹر لیلیٰ صلاح کی شخصیت اور ان کی ادبی خدمات ایسی ہیں کہ ان پر قلم اٹھانے
 ہوئے تجھے یک گونہ مسرت کا احساس ہو رہا ہے ڈاکٹر لیلیٰ صلاح کو میں اس
 وقت سے جانتا ہوں جب کہ ان کی تحریریں روزنامہ سیاست اور طنز و مزاح
 کے منفرد رسالہ مشکوفہ میں شائع ہوتی تھیں۔ میں ان کے فکر و فن اور ان کی
 بہترین مضامین سے مستفید ہوتا رہا۔ اس کے باوجود ڈاکٹر لیلیٰ صلاح سے مجھے شخصی
 ملاقات کا موقع نہیں ملا تھا۔ ڈاکٹر لیلیٰ صلاح محفل خوانین سے اپنی وابستگی کے
 بعد جب اپنی تحریروں سے نواز تا شروع کیا تو میں ان کی تحریروں سے اور بھی
 متاثر ہوتا رہا۔ محفل خوانین کے سالانہ جلسوں میں ڈاکٹر لیلیٰ صلاح کے مضامین
 سے استفادہ کیا با نثار ہاسپے کئی ماہانہ جلسوں میں بھی ڈاکٹر لیلیٰ صلاح نے اپنے

۱۹۹۵-۱۹۹۶ء چیمبر پیرسین رجسٹریشن کمیٹی برائے یونٹھ فیئڈل
 (ڈسٹرکٹ لیول سادھنہ زون) نیشنل لیول ۹۵-۱۹۹۶ء گلبرگر یونیورسٹی
 ۹۰-۱۹۸۷ء مڈلٹین کرناٹک اردو اکیڈمی (بنگلور) ممبر بلیک برچیز کمیٹی
 فار بکس (بنگلور) گورنمنٹ آف انڈیا ممبر اردو انٹرنیٹ کمیٹی ۸۰-۱۹۸۷ء کرناٹک
 (دھارواڑ) صبر انصافی کمیٹی و بورڈ برائے استغاثات میسور، بنگلور یونیورسٹی
 عثمانیہ یونیورسٹی، کیرلا یونیورسٹی، سنٹرل یونیورسٹی، راجستھان یونیورسٹی، پنجاب
 یونیورسٹی، پٹنہ یونیورسٹی اور یو جی سی برائے نٹھ انقصاب صبر کنول برائے فروغ
 اردو ۹۹-۱۹۹۷ء یہیں سکریٹری اردو ماڈل اسکول، سمٹاپیت، ٹکروٹھل پورہ
 تاحال — زیر نگرانی انجمن ترقی اردو (حیدرآباد) صبر برائے تیاری نصاب
 کتب تختانیہ تا اعلیٰ جماعتیں و آریو کیسٹ کی تیاری تختانوی جماعت کے لیے
 (حکومت کرناٹک بنگلور) بھی رہیں۔ ڈاکٹر بلقیٹ صلاح کی حسب ذیل مطبوعاتیں
 میرٹھس (مدین فیض) ۱۹۸۰ء، سنسٹا (مزاجیہ مضامین و خاکے) ۱۹۸۱ء
 عہدہ اسلو جادو علی و ابی خدات ۱۹۸۵ء عکس در عکس تحقیقی و تنقیدی
 مضامین ۱۹۹۲ء اردو (تنقید و تحقیقی مضامین) ۱۹۹۳ء —
 ڈاکٹر بلقیٹ صلاح سے کبھی بھی دفتر شکوہ پر بھی ملاقات ہوتی تھی وہ اپنے علمی و ادبی
 کاموں کے سلسلے میں علمی و ادبی مراکز کے صبر برائے ہوں سے ملاقات کرتے کے علاوہ اردو
 کتب خانوں سے بھی رابطہ باقی رکھتی ہیں۔ ڈاکٹر بلقیٹ صلاح سیاست اخیال سے
 اپنی ذہنی وابستگی رکھتی ہیں وقتاً فوقتاً سیارست میں ان کی تحریریں شائع
 ہوتی رہتی ہیں ڈاکٹر صاحبہ نے بے شمار ادبی انیسوں کو مخاطب کیا۔ جلسوں میں

مضامین پیر و قاری، سینار، پیسوزیم میں حصہ لیا۔ ملک کے کالجوں اور جامعات کی
 علمی و ادبی تقاریر میں حصہ لیتی رہیں۔ حیدرآباد میں ڈاکٹر یقیق صلاح ایک شاموش
 کھم آئینہ ادیب کی حیثیت سے شہرت رکھتی ہیں ادبی جلسے اگر خالص اور عیاری ہو
 تو شرکت کرتی ہیں وعدہ کی پابند ہیں۔ ادبی جلسوں میں مقررہ وقت پر آتی ہیں اور
 اجلاس کے اختتام تک شریک محفل رہتی ہیں۔ حیدرآباد میں بہت علمی و ادبی
 ادارے اپنے اپنے انداز میں کام کرتے ہیں۔ ڈاکٹر یقیق صلاح ایسی ہی محفلوں میں
 شرکت کرتی ہیں جہاں انہیں شرکت کرتے ہوئے سادہ مضامین پڑھنے ہوتے
 مسرت محسوس ہوتی ہے۔ ڈاکٹر یقیق صلاح نے ادارہ میل شہر میرے لوگ کے بعض ادبی
 جلسوں میں بھی شرکت کی ہے جن کے پیر مغز مضامین سے حاضرین محفل مستفید ہو چکے
 ہیں ڈاکٹر یقیق صلاح کی تحریریں اخبارات میں اشاعت پذیر ہونے کے علاوہ ادبی
 رسائل کی بھی ذریت بنتی رہتی ہیں۔ حیدرآباد کی حد تک ماہنامہ سب رس
 شگوفہ فروغ و خیر کا سحر میں ان کی تحریریں اہتمام کے ساتھ شائع کی جاتی ہیں ڈاکٹر
 یقیق صلاح کے خاکے کافی پسند کیے جاتے ہیں۔ طنز و مزاح کے موضوع پر بھی ان کے
 مضامین متناثر کرتے ہیں لیکن ان کے خاص علمی و ادبی تحقیقی و تنقیدی مضامین کا
 تناثر بھی کچھ کم نہیں ہوتا۔ ان کے خیالات میں بہاؤیت قلم میں روانی ہے کثرت مطالعہ
 نے ان کے دل و دماغ کو روشن کھلے معلومات کی بہار سے اور کثرت مطالعہ نے
 ان کو صاحب طرز ادیب کا اعزاز عطا کیا ہے۔ مختلف علوم و فنون سے واقفیت
 کی وجہ سے ان کے طرز تحریر کا ایچھوتہ ترین کو کافی تقویت حاصل ہوئی ہے۔
 ڈاکٹر یقیق صلاح ایک فضا طے شائستہ پیر و قاری ادیب کی حیثیت سے اردو شہر

میں اپنی مخصوص پہچان کے ساتھ مشہور ہیں۔ ڈاکٹر یثیق صلاح سے کبھی کبھی فون پر بھی بات چیت ہوتی ہے علی وادلی اور محفل مشاعرہ وغیرہ سے متعلق گفتگو رہتی ہے۔ میں نے یہ سوس کس کہا ہے کہ اگر گونا گوں کے علاقے میں کہیں بھی کوئی مشاعرہ ہونے والا ہے اور ان سے حیدر شاہی شعرا کے انتخاب کے سلسلے میں نیا ون کی خواہش کی جائے تو وہ میرا تمام ہنر و کمال لیں گی۔ بلکہ ایسا بھی ہوا ہے کہ بعض بڑے مشاعروں میں انہوں نے مجھ سے راستہ ربط پیدا کیا اور ان مشاعروں میں حیدر آباد کے نمائندہ مشاعروں نے شرکت کی۔ اس طرح کے مشاعروں میں ایک اہم و یادگار مشاعرہ رانچور کا بھی ہے جو ایک سال قبل منعقد ہوا تھا ڈاکٹر یثیق صلاح کو اس بات کا احساس ہے کہ حیدر آبادی قلم کاروں کی نہ صرف حوصلہ افزائی ہونی چاہیے بلکہ ان کی شاعرانہ حیثیت کو بھی قدر کی نگاہوں سے دیکھنا چاہیے۔ ڈاکٹر یثیق صلاح اس طرح کے مواقع سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے شہر کے با اپنے پسندیدہ قلم کاروں کو اپنے زیر اثر ادبی جلسوں اور مشاعروں میں مدعو کرتی رہتی ہیں کئی برس پہلے کی بات ہے کہ کلکتہ میں ایک بڑا مشاعرہ ہوا تھا اس مشاعرہ میں حیدر آباد کے مشاعروں میں رئیس اختر اور میں مدعو تھے۔ مشاعرے کے دوسرے روز ڈاکٹر یثیق صلاح نے اپنے کان (الابی رضا ڈگری کالج) میں ہم دونوں کی خبر مقدسہ تقریب دہائی جہاں وہ اردو کی استاد تھیں۔ ڈاکٹر یثیق صلاح کی یہ حیدر آباد نوازی اور شاعر نوازی نے مجھے بے حد متاثر کیا۔ اظہار تشکر کے طور پر حیدر شاہی میں ڈاکٹر صلاح کو محفل خواتین کے سادہ رنگیوں میں مدعو کرنے کے لیے محفل خواتین کے سربراہیوں کو توجہ دلاتا رہا۔ خود اپنی ادبی انجمن میرا شہر میرے لوگوں میں بھی مدعو کیا

ڈاکٹر ملحق صلاح کی تقریر بتا تمام کتابیں میرے پاس موجود ہیں میں نے بھی تقریر کیا
 اپنی تمام کتابیں ڈاکٹر صاحبہ کے مطالعہ اور ان کی لائبریری کے لیے دی ہیں نئی
 کتابوں کا تبادلہ ہم شاعروں، ادیبوں میں ہوتا رہتا ہے لیکن ہر شاعر و ادیب
 کے لیے یہ طریقہ کار روا نہیں رکھا جاسکتا۔ اس لیے کہ بعض ایسے قلم کار بھی ہیں جو صرف
 دوسرے شاعروں، ادیبوں کی کتابیں دینا پسند کرتے ہیں دینا نہیں۔ ڈاکٹر ملحق
 صلاح نہایت کم گو، منکسر المزاج، شائق فن و سمجھتا خانوں ہیں تمام ادبی ملفوظ
 پر توجہ دہن عزت کی نظر سے لکھی جاتی ہیں۔ ڈاکٹر ملحق صلاح جب تک گلبرگہ میں
 رہیں، اس کی علمی و ادبی شہزیتوں نے ان کی ادبی خدمات سے استفادہ کیا۔
 ڈاکٹر صاحبہ نے گلبرگہ کے تقریریں اہم جلسوں میں شرکت کی ہے اور اپنی بہترین
 معلومات آخرین تقریر و تقریر سے اپنی محفل کو استفادہ کا موقع عنایت کیا
 ڈاکٹر ملحق صلاح کے لیے شمار ادبی مظاہرین آئی انڈیا ریڈیو حیدرآباد سے اور
 دور درشن سے نشر ہوئے۔ بعض مائکروں میں انہوں نے شرکت بھی کی ہے۔ ڈاکٹر
 ملحق صلاح کا علمی و ادبی کام جارحانہ ہے ان کی ادبی مصروفیات اور اردو ادبیات
 سے ان کی غیر معمولی دلچسپی سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا ادبی سفر جارحانہ
 گلیپوری توانا بیوں کے ساتھ

ڈاکٹر حمیدہ حبیبی

(باصلاحیت استاد، نامور محقق، معتبر گوشہ نشین خاتون)

حیدر آباد میں بہت سے ایسے وضع دار گھرانے ہیں جن سے وابستہ ہر فرد کسی نہ کسی ادا سے یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس کا سلسلہ کس خاندان سے ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر خاندان میں ہر ایک شخص اعلیٰ و ارفع مقام پر فائز ہو، اپنی بہترین صلاحیتوں کا اظہار موقع بہ موقع کرتا ہوا دکھائی دے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ اپنی پہچان کے لیے دوسروں کا سہارا تلاش کرتا ہو۔ قابل لوگ اور ارتقا پذیر شخصیتیں خوشنوی کی طرح سارے معاشرہ میں پھیل جاتی ہیں اور اپنی زندگی کے ایک ایک لمحہ کو آجائوں کی نعمتوں سے سرفراز کرتے رہتے ہیں بڑے گھروں میں بڑے لوگ بھی ہوتے ہیں اور چھوٹے بھی۔ بڑے اس اعتبار سے کہ وہ علم و عرفان کی نعمتوں سے نہ صرف خود فیض یاب ہوتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی علم و آگہی کے فیوض و برکات سے نوازتے رہتے ہیں حصول علم کے لیے ساری زندگی گزارنی پڑتی ہے اس کے باوجود کوئی ایک شخص بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا

کہ وہ اپنے موضوع، اپنے لفظ، نظر کی ترجمانی میں حرف آخر پہ علوم و فنون میں کوئی
 بھی حرف آخر نہیں ہوتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو انسان ایک ہی منزل پر آکر رک
 جاتا، ایسا سفر محدود کر دیتا اور اس نقطہ پر پہنچ جاتا کہ اب اور کچھ زندگی میں
 باقی نہیں رہا۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ ناممکن زندگی اور زندگی کا ادھورا
 انسان کو تاحیات رواں دواں رہنے کی تلقین کیا کرتا ہے اور ایک ایسا شخص
 جو مسلسل سفر میں رہتا ہے وہ چلتے ہی رہتا چاہتا ہے یہ اور بات ہے کہ وہ زندگی کے
 سفر میں طویل مسافت کے بعد مستحکم چاہتا ہے اور یہ غلطی کا تقاضہ
 ہے کہ انسان چلتے چلتے تھک جاتا ہے تو وہ ٹھنڈی چھاؤں کی تلاش میں نکلتا
 ہے اور اگر کہیں سایہ دار درخت مل جائے تو دم لیتا ہے اور اپنے سفر کی تھکن
 دور کرتا ہے پھر کچھ وقفہ کے بعد سفر کے لیے نکل جاتا ہے۔ نیز نئی حیات پر صورت
 لینے کرتے دکھائی دیتا ہے تلخیوں کے ساتھ راہیں، دھوپ کے ساتھ چھاؤں
 شام کے ساتھ سورج، آجاولوں کے ساتھ اندھیرے ساتھ ساتھ ہی رہتے ہیں
 حالات کی ساری وگرنی، موسم کی ہمہ رنگی، کیفیت ایک انسان کو جینے کا فن سکھاتی
 ہے اور ایک کامیاب انسان ہر قسم کے حالات سے آنکھیں ملاتے ہوئے اپنی
 زندگی گزارتا ہے۔ علمی و ادبی گھرانے کے لوگ، علوم و فنون کی نعمتوں سے ناچنا
 فیض یاب رہتے ہیں، لیکن یہ ضروری ہے کہ دیوانگی کی حد تک علوم و فنون
 کی سرفرازیوں سے استفادہ کرتے رہیں۔ اور ایسے بیشتر مواقع آجاتے ہیں جن سے
 انسان کا حقد مستفید ہوتا رہتا ہے۔ حیدرآباد میں علمی و ادبی گھرانوں کی کمی نہیں
 ہے لیکن ہر تعلیم یافتہ گھرانے سے یہ توقع نہیں رکھی جاسکتی کہ اس کا ہر فرد خاندانی

ادبیات کی مکمل پاسداری کرے اور علم و آگہی کی گسوٹی پر پوری طرح انفر
 جائے۔ سمجھ بھی اگر چشم بصیرت اُس کا ساتھ دے تو وہ لوگ جو خاموشی کے
 ساتھ اپنے علمی و ادبی مصروفیات میں گم رہتے ہیں اُن پر نظر پڑی جاتی ہے
 حضرت فصاحت جنگ جلیل کے خاندانہ میں تقریباً تمام لوگ علم و
 فضیلت سے بہرہ ور ہیں کہیں زیادہ کہیں کم۔ زیادہ کے زمرہ میں جہاں کی
 میری معلومات ہیں ڈاکٹر علی احمد جلیلی کے بعد ڈاکٹر جمبرہ جلیلی کا نام آجاتا ہے یہ
 میرے ذاتی تاثرات اور معلومات ہیں۔ میں اپنی شاعرانہ و ادیبانہ زندگی میں ان دو
 روشن چراغوں کی روشنی سے پوری طرح واقف ہوں۔ اس سے انکار نہیں کہ ڈاکٹر
 جمبرہ جلیلی کے والد محترم عزیز احمد جلیلی اور مشتاق جلیلی کا نام بھی شعر و ادب کے حلقوں
 میں قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے سمجھ بھی اس خاندان میں صرف ادب کی
 حیثیت ڈاکٹر علی احمد جلیلی کی ہے اور حرفِ ثانی کی ڈاکٹر جمبرہ جلیلی کی۔ ڈاکٹر علی احمد
 جلیلی نہ صرف اعلیٰ درجہ کے شاعر ہی ہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کے نقاد، مبصر، محقق اور
 دانشور بھی ہیں جن کا ادھرنا بھجونا صرف اور صرف شعر و ادب کی دنیا سے وابستگی
 ہے ڈاکٹر صاحب کی علمی و ادبی زندگی پر بہت کچھ لکھا جانا چاہیے۔ میں نے اُن کے فن
 اور شخصیت پر ایک بھرپور مضمون لکھا ہے جو میری کتاب ”پھر وہی پرچھائیاں“
 (۱۹۹۳ء) میں شامل ہے میں اس طرح کے مضمون ”خوشبو کا سفر“ میں بھی شائع
 کیے ہیں اور اس مضمون کا اقتباس میری نئی کتاب ”روشنی، خوشبو،
 جہک“ (۲۰۰۲ء) میں نذر قارئین کیا جا چکا ہے اس خاندانہ کی دوسری شخصیت
 ڈاکٹر جمبرہ جلیلی کی ہے۔ ڈاکٹر جمبرہ جلیلی کی ابتدائی تعلیم مہاراشٹر کے اُن مختلف اضلاع

میں ہوئی جہاں جہاں ان کے والد محترم عزیز احمد جلیلی کی پوشنگ ہوتی نہی
 حمیرہ نے ملٹرنگ چادر گھاٹ گزرائی اسکول سے کیا اور دبیس کان بھٹمانہ
 یونیورسٹی سے گزرجویشن۔ بی ایس سی کے بعد بی اے ایم ایس سی کے ایم اے اردو میں افتخار
 پایا۔ ان کے اساتذہ میں پروفیسر سوحین خان، پروفیسر رفیعہ سلطانہ، ڈاکٹر حفیظ قیس
 پروفیسر کبر الدین صدیقی، ڈاکٹر زینت ساجدہ، ڈاکٹر حمید شطاری، ڈاکٹر غلام
 عمر خان تھے۔ ایم اے آخر میں "نصیر الدین ہاشمی حیات اور کارنامے" کے موضوع پر
 مقالہ لکھا "سب رس کی تنقیدی تدوین" پر زیر نگرانی ڈاکٹر حفیظ قیس پیرایچ ڈی
 کی ٹیکس کی "کلمۃ الاسرار" شائع کی اور "قطب مشرقی" کی تدوین کی۔ سیاست
 اخبار کے لیے شاہیر اردو کے انٹرویو لیے تبصرے لکھے۔ انٹرویو کا مجموعہ "تفنگو"
 کے نام سے شائع ہوا جس کے لیے فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی کھنڈنہ جزوی امداد
 دی تھی۔ "سنت مکتی ہائی" بھی فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی کی رقمی
 معاونت سے شائع ہوئی۔ اندر گاندھی بسٹ ٹیمپل ایوارڈ ملا۔ مغربی بنگال اردو سے
 اکیڈمی اور آندھرا پردیش اردو اکیڈمی نے "سب رس کی تنقیدی تدوین" پر انعام
 نظر آیا۔ ڈاکٹر حمیرہ جلیلی کو بین تقرباً ۳۵ برس سے جانتا ہوں۔ حمیرہ کو اردو شعرو
 ادب سے بے حد دلچسپی ہے جو شیر کالج عالیہ میں صدر شعبہ اردو رہیں۔ اپنی طرزت
 کے زمانے میں بے شمار تشنگانِ علم کی پریاس بھانے کا وسیلہ بنی رہیں۔ ایسا معلوم
 ہوتا ہے کہ حمیرہ نے اپنی ساری زندگی اپنے والدین کا خدمت کے ساتھ ساتھ اردو
 زبان کی ترقی و ترویج کے لیے وقف کر دی ہے۔ حمیرہ جلیلی ایک حرکیاتی شخصیت
 ہیں۔ انتہائی وضع دار، خاموش طبع ہیں معتبر اور باوقار طرزِ حیات کی اعلیٰ نمونہ

ہیں۔ ویسے ادبی جلسوں میں بہت کم شرکت کرتی ہیں وہ خاص خاص علمی و ادبی تقاریر میں شرکت کرتی ہیں اسنادِ شاہ حضرت فصاحت جنگ جلیل کی پوتی ہونے کے ناتے کبھی انہوں نے اس عظیم الشان وسیلے سبب شہزادہ کے معاملات میں اپنے خاندانی پس منظر پر غور محسوس نہیں کیا البتہ وہ خدا کا شکر ادا کرتی ہیں کہ وہ حضرت فصاحت جنگ جلیل کی پوتی ہیں اور انکساری سے یہ کہتی ہیں کہ میں اپنے دادا کی صرف پیر چھائی ہوں، عکس جمیل نہیں۔ ان کی علمی قابلیت اور ان کے شعری و تہذیبی قدرد قیمت سے استفادہ کرنا ہی میری سعادت مندی ہے۔ حیرہ انتہائی منکر المزاج، شائستگی کا بچہ سفر ایما کر ہیں ان کا لب لہجہ ان کا انداز گفتگو شگفتگی و شائستگی کا مظہر ہے انتہائی بزدلی کے ساتھ محوِ نظم رہتی ہیں۔ میں نے یہ بھی محسوس کیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اردو زبان و ادب کا ایک معمولی طالب علم سمجھتی ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے انہوں نے اپنی تصانیف کے ذریعہ یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ وہ اعلیٰ درجہ کی محقق بھی ہیں اور بہترین ادیبہ بھی۔ حیرہ جلیل کی تنظیمی صلاحیتیں بھی ایسا جوہر دکھاتی ہیں انہوں نے حضرت فصاحت جنگ جلیل کی یاد کو تازہ رکھنے کے لیے ۱۹۸۲ء میں ایک ادبی انجمن دبستان فصاحت جنگ جلیل کے نام سے قائم کی ہے اس انجمن کا ایک شعیرہ خواتین بھی ہے جس کے سالانہ جلسے خاص طور پر یادگار رہتے ہیں طلباء و طالبات کے لیے تحریری، تقریری مقابلے، بیت بازی کا اہتمام بڑی دلچسپی سے کیا کرتی ہیں انہوں نے اس طرح کی بیسیوں تقاریر منعقد کیں۔ مدتی، دینی جلسوں سے بھی دلچسپی رکھتی ہیں چنانچہ دبستان جلیل کے زیر اہتمام وقتاً فوقتاً دینی جلسے منعقد کرتی رہتی ہیں

ڈاکٹر حمیرہ جلیلی نہایت سادا طبیعت، مہذب پیر وقار شخصیت کی حامل خاتون
 مشرق ہیں۔ ان کے گھر کا ماحول مشرقی آداب کی نثر جہاں کیا کرتا ہے گھر کے تمام لوگ
 اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں دینی مصروفیات کی وجہ سے سارے گھر پیر نور و نہایت
 کی بارش آہوتی رہتی ہے۔ اچھے لوگ، اچھے گھرانے، خدائے قدوس کی
 خاص مہربانیوں کی سوغات سمجھے جاتے ہیں۔ میں ڈاکٹر حمیرہ جلیلی کی ادبی
 خدمات سے بھی واقف ہو چکی اُن کے والد کی صحت ان کا ساتھ دیتی رہی
 وہ ڈاکٹر علی احمد جلیلی کے ساتھ ادبی جلسوں اور مشاعروں میں شرکت کرتے
 تھے اپنی طویل علالت کی وجہ سے تقریباً خانہ نشین ہو گئے ڈاکٹر حمیرہ اپنے
 والد محترم اور والدہ محترمہ کی خدمت میں اپنا زیادہ وقت صرف کرتی ہیں حمیرہ
 جیسی سہولت مند اولاد خوش نصیبوں کے حصہ میں آئی ہے حمیرہ جلیلی کے
 ادبی مضامین، ادبی رسائل میں، کم کم دکھائی دیتے ہیں البتہ ان کی کتابیں
 نہ صرف قابل مطالعہ ہی ہیں بلکہ اپنے موضوع کے اعتبار سے دستاویزی حیثیت
 رکھتی ہیں۔ میں حمیرہ جلیلی کے زیر انتظام کئی ادبی تقاریر میں شرکت کر چکا ہوں
 میرے ادبی معاملات میں وہ نہایت ذمہ داری کے ساتھ سرگرم عمل رہتی ہیں
 ڈاکٹر حمیرہ جلیلی سے فون پر گفتگو ہوا کرتی ہے ایک عرصہ تک وہ ڈاکٹر علی احمد
 جلیلی سے فون پر میری گفتگو کے لیے رابطہ بنی رہیں۔ یہ اُس وقت کی بات
 ہے جب ڈاکٹر علی احمد جلیلی کے ہاں علحدہ ٹیلی فون نصب نہیں ہوا تھا ڈاکٹر
 علی احمد جلیلی اور ڈاکٹر حمیرہ جلیلی ایک ہی بڑے مکان "جلیل منزل"
 میں رہتے ہیں۔ میں نے اپنی ابتدائی تحریر میں حرف اول اور حرف ثانی کی بات

تو بات کہی لیکن حرفِ آخر کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ خانوادہٴ فصاحت جنگ
جیکل کے ایک اور روشن چراغ رشید جلیلی ہیں جو اپنی بہترین شاعری کی وجہ سے
شعیر کی علمی و ادبی تحفوں میں قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں جن کا پہلا
مجموعہ آرزو کے چیراغ کے نام سے عنقریب شائع ہونے والا ہے۔ نچے
وہ لوگ زیادہ متاثر کرتے ہیں جو انسانی رشتوں کی پاسداری کرتے ہوئے
اپنے اسلاف کی قدروں و منزلت کو اپنے دل و جان کا ایک حصہ سمجھتے ہیں اور
جو اپنے اسلاف کی خوشبو سے اپنے پیراہنِ جسم و جاں کو چمکانے لہتے ہیں
ڈاکٹر جمیرہ جلیلی اس لیے بھی قدر کی نگاہوں سے دیکھی جائیں گی کہ وہ اپنی علمی
ادبی و تہذیبی مصروفیات کے باوجود اپنے والدین کی خدمت میں پوری طرح
وقف ہیں۔ ایسی صالح اولاد کے لیے ماں باپ کے دل سے ہمیشہ دعائیں نکلتی
رہتی ہیں۔ ڈاکٹر جمیرہ جلیلی اپنے خاندان کی ایک روشن چشم و چراغ تو ہیں ہی
لیکن ہم قلم کاروں کے قبیلے سے نبی اٹھ رشتہ رکھتی ہیں۔ دونوں رشتے اپنی
اپنی جگہ مستحکم ہیں جو تہی نسل کو یاد دلاتے رہیں گے کہ تہذیبی اقدار کیا ہیں

علامہ اعجاز فرخ

(مائیہ ناز خطیب - صاحب طرز ادیب و شاعر)

ایک ایسا شخص جو میری دوستی کے ابتدائی دنوں میں ایک سید
ساد اشیر میلا، شاعرانہ و عاشقانہ مزاج اور وہاں جذبہ رفاقت کا
حامل تھا جب وہ کئی برسوں کے بعد مجھ سے ملا تو ایک مائیہ ناز خطیب و شاعر
دانشور اور نباض وقت علامہ کی شکل میں اپنی پوری پہچان اور مکمل فراغت
کے ساتھ خاص طور پر مسلم معاشرہ کا مرکز و نگاہ بنا ہوا تھا جس کی اعلیٰ درجہ
کی خطابت نے ہزاروں لوگوں کے اجتماع کو اپنی گرفت میں رکھا ہے جس کی
تقریر کا ایک ایک لفظ پُر اثر اور ایک ایک جملہ صریح و مسجہد و اردو
کا منظر ہو تا ہے جب وہ مانگ پر آتے ہیں تو سارا مجمع اُس لمحہ کا لیے میری
کے ساتھ منتظر رہتا ہے کہ پہلا جملہ کب اُس کی زبان سے نکلے گا اور جب
وہ کسی بھی موضوع پر کہنے لگتا ہے تو فصاحت کے دریا بہنے لگ جاتے ہیں
اس کا ہر جملہ سامع کے دل میں اُترتا چلا جاتا ہے دل و دماغ روشن ہوتا ہے

اور ذہن و فکر کے دروازے وا ہو جاتے ہیں۔ شعلہ بیان خطیب ہمارے
 شہر کی آبرو بڑھانے اور مسلم معاشرہ کو صراطِ مستقیم کی راہ دکھانے میں
 زیادہ پیش پیش ہے جس کے فکر و خیال کے تمام گوشے روشن ہیں جو
 اپنی تقریر کے دوران اپنی معلومات کے خزانے لٹا دیتا ہے اس کا دامن
 ہمیشہ بھرا ہوا رہتا ہے اس کے علم کی دولت، تمام حاضرینِ محفل کو
 رئیسِ بنا دیتی ہے کسی کو یہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ اس محفل سے
 خالی ہاتھ واپس ہو رہا ہے وہ آتا تو ہے خالی ہاتھ لیکن لوٹتا ہے
 تو معلومات کے پیش یہاں خزانے اپنے ساتھ لے جاتا ہے اس طرح کی
 تمجید کا اہل آئینہ دار ہمارے شہر میں وہ ایک شخص ہے جس کو مسلم معاشرہ
 علامہ اعجاز قرخ کے نام سے جانتا ہے یقیناً علامہ اعجاز قرخ
 محاسنِ اہل بیت میں صفِ اول کے ذاکر کچھ جاتے ہیں شیعہ برادری میں
 اعلیٰ قدر و منزلت کے حامل ہیں جب کسی کو ملتِ اسلامیہ کے کسی بھی گوشے
 ایران کی تقریر سننے کا موقع ملتا ہے تو وہ اپنی قسمت پر تاز کرتا ہے علامہ
 اعجاز قرخ کا خطاب خاص طور پر کل ہند مجلس اتحاد المسلمین کے مذہبی و سیاسی
 اجتماع میں اپنی پوری آواز کا آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر رہتا ہے۔ علامہ اعجاز
 قرخ کی تحریریں بھی دل و دماغ کے تمام گوشوں کو منور کر دیتی ہیں جگمگا دیتی
 ہیں۔ ہر موضوع پر انھیں کھل کر اظہارِ خیال کرنے کا ملکہ حاصل ہے اخبار
 سیاست میں اب تک ان کے جتنے مضامین شائع ہوئے ہیں یا کسی نہ
 کسی مسئلہ پر ان کا پیرس نوٹ شائع ہوتا ہے تو دل و دماغ کو جھنجھوڑنے

والا ہوتا ہے علامہ فرخ کی مرصع و مسجع اردو جہاں فکر و خیال کے حلقے میں بے حد پسند کی جاتی ہے وہاں ان کی تحریر کا ہر جملہ مرصع و مسجع عبارت کا اعلیٰ نمونہ ہوتا ہے علامہ فرخ خاص طور پر مذہبی و سیاسی جلسوں کے لیے ناگزیر ہو گئے ہیں وہ ہمیشہ اہم اور معیاری جلسوں میں شریک ہوا کرتے ہیں۔ علامہ کی قابلیت کا یہ فیضان ہے کہ وہ ہر موضوع پر اظہار خیال کی طاقت رکھتے ہیں علامہ کم آمیز ہیں۔ عام جلسوں میں ان کی کم کم شرکت نے ان کے وقار میں کچھ اور اضافہ کیا ہے موزوں ترین محفلوں میں شرکت کرنا پسند کرتے ہیں۔ علامہ فرخ کئی ہندو جلس انجاء المسلمین سے وابستہ ہیں مجلس کے بعض اہم جلسوں میں لازماً شریک ہوتے ہیں اور اپنے پیراشر خیالات سے سارے مجمع پر چھایا کرتے ہیں۔ علامہ اعجاز فرخ سے میری دوستی بہت قدیم ہے غالباً ۱۳ برس پہلے سے ہم ایک دوسرے کو جانتے ہیں علامہ فرخ کو میں قطعی نہیں جانتا تھا لیکن وہ مجھے جانتے تھے شاید شاعروں کی وساطت سے کبھی کبھی علیک سلک ہوا کرتی تھی وہ ہماری مدینہ ہسٹل کی نشستوں میں شامل ہو جاتے تھے۔ اُس زمانے میں ہم (صلاح الدین تیر، رئیس اختر، ناکھڑی، اکشر مدینہ ہسٹل کے ایڈوکیٹ ہاں میں ایک کیمپن میں ہر رات ۹ بجے سے ۱۲ بجے تک لانا بیٹھا کرتے تھے یہ سلسلہ تقریباً ۸، ۹ برس تک چلتا رہا۔ اُن دنوں علامہ اعجاز فرخ محکمہ ایئر فورس سے تعلق رکھتے تھے وہ ہم سے ملنے کے لیے کبھی بھی آتے تھے شعروں شاعری پر گفتگو رہتی۔ شہر کی ادبی و شعری محفلوں کا تذکرہ رہتا۔ حبیب روایت چارے کا پہلا، دوسرا کبھی تیسرا دو کبھی چلتا رہتا

تھا۔ اُن دنوں علامہ فرخ ہنگا اور پٹھیا سگریٹ پیتے تھے غالباً 555۔ فرخ بہت زیادہ سگریٹ پیتے تھے میں نے اُس زمانے میں یہ محسوس کیا کہ وہ کافی غلبہ بخیدہ اور اُلجھے اُلجھے ہوئے رہتے ہیں اور ذہنی سکون کی تلاش میں ہم سے ملاقات کرتے ہیں وہ اس قدر خاموش رہتے کہ محسوس ہوتا تھا کہ کہیں کچھ جل رہا ہے سگریٹ کے کش پرکش نکالتے تھے مگر فرخ کبھی کبھی کھل کر گفتگو کرتے تھے۔ لیکن ان کا اندازِ گفتگو شاعرانہ و عاشقانہ ہوتا تھا انہیں اساتذہ سخن کے بہت سے شعر یاد ہیں۔ خاص طور پر اسرار لدھیانوی اور مخدوم محمد الدین کے کلام سے بے حد متاثر ہیں اسرار کی مشہور نظم پیرچھائیاں اکثر سنایا کرتے۔ پھر کئی برسوں کے بعد ان سے ملاقات ہوئی۔ ایک دن میں نے ”سیاست“ میں اُن کا انتہائی چونکا دینے والا مضمون پڑھا۔ پتہ نہیں وہ ادبی تھا کہ سیاسی۔ بے حد مسرت ہوئی کہ ہمارا ایک دیرینہ رفیق ایک ممتاز قلم کار کی حیثیت سے منظرِ عام پر آ رہا ہے۔ اس مضمون کے بعد علامہ فرخ سے سیاست آفس میں کبھی کبھی ملاقات ہو جاتی تھی وہ اپنا کوئی ایک مضمون سیاست میں اشاعت کے لیے لے آتے تو جگر صاحب سے ملاقات کرتے ان کے مضامین خصوصیت و اہمیت کے ساتھ شائع ہوتے رہے (اب بھی شائع ہوتے رہتے ہیں) علامہ فرخ بلند مرتبت خطیب اور صاحب طرز ادیب ہی نہیں ایک اچھے شاعر بھی ہیں۔ یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگی کہ وہ شعر بھی کہتے ہیں لیکن نہ تو کسی مشاعرہ میں کلام سناتے ہیں اور نہ ہی ان کا کلام کسی اخبار میں شائع ہوتا ہے وہ اساتذہ کرام کے کلام کی

دل و جان سے قدر کرنے میں ترقی پسند شعاعوں کے کلام کے بے حد دلدادہ ہیں علامہ فرخ سے میری ملاقات نہیں ہونے کے برابر ہے۔ کبھی کبھی فون پر بات ہوتی ہے یا کبھی وہ سیاست آتے ہیں تو ملاقات ہو جاتی ہے زاہد علی خان صاحب سے بھی ان کے مراسم ہیں۔ جب کبھی یادِ ماضی کی پیر چھائیاں ان کے دل و دماغ پر چھا جاتی ہیں تو فون پر دیرینک گفتگو کرتے ہیں۔ علامہ فرخ کے ہاں بادوں کی بہت بڑی دولت ہے پرانی تہذیبی روایات کو اپنے سینے سے لگائے پھرتے ہیں انسانی رشتہ لکپاس داری بھی ان کا مقصد حیات ہے نہایت معقول۔ سیکھے ہوئے انسان ہیں۔ ان کی بے لوث دوستی ایک ایسا روشن پاک صاف آئینہ ہے جس میں کسی قسم کے بھی دھبے نہیں ہیں۔ پاک و صاف ذہن و فکر کی آئینہ داران کی زندگی لکھنؤ کا تھری ہے پتہ نہیں ان کے احباب کے حلقوں میں کون کون شامل ہیں لیکن میں اتنا ضرور جاننا ہوں کہ جتنے بھی ان کے احباب ہوں گے وہ تعلیم یافتہ، شائستہ اور اعلیٰ اقدار کے پاسدار ہوں گے۔ آج ہر معقول انسان اچھے دوستوں کی رفاقت کی سلامتی کے لیے دعا مانگتا ہے وہ جاننا چاہتا ہے کہ اس کا ہر اچھا دوست انسانیت کا پورا پورا حق ادا کرے۔ اچھے ماحول اور اچھے شام و سحر سے وابستہ رہے علامہ فرخ کا لب لبوب ہر محفل کے لیے پُرکشش رہتا ہے۔ سب را عزت انہیں بہت ہی پُراثر آواز سے سرفراز کیا ہے ان کے لب لبوب میں مشکفگی اور نر و ناز کی علاوہ ایک قسم کی مقناطیست ہے جو سامع کو فوری اپنی طرف متوجہ کرتی ہے آج علامہ فرخ ہمارے شہر کے صفِ اول کے دانشوروں میں شمار کیے جاتے ہیں یہ دیکھ کر اُدھان کر ٹھیکے دلی است رہتی ہے میں جانتا ہوں کہ میرا دوست پور وقار کے ساتھ حاضر ہو گا ایک نئی قسم کا حیرت انگیز ہے۔

ڈاکٹر ایم اے حفیظ

(مہمد رسیجا - بامروت انسان بہتر کیا ادیب)

زندگی کے مختلف شعبوں سے رشتہ رکھنے والے لوگ جیسا کہ کسی ایک خاص شعبہ سے کچھ زیادہ تعلق رکھتے ہیں تو ان کی صلاحیتوں کے بارے میں نہ تو کچھ زیادہ غور کیا جاتا اور نہ ہی ان کے بارے میں زیادہ سوچا جاسکتا ہے اس لیے کہ اس طرح کے لوگ اپنے مخصوص شعبہ ہی میں اپنی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کرنے رہتے ہیں لیکن جب کچھ لوگ ایک سے زائد شعبوں سے تعلق رکھتے ہیں اور ان میں برابر کا حصہ ادا کرتے ہیں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ کس شعبہ میں وہ اپنی قابلیت کا زیادہ اظہار کر رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ جس شخص کو جس انداز سے بھی نوازا جاتا ہے یہ سب اُس کی عنایتوں پر منحصر ہے۔ میں یہاں ایک ایسی ممتاز شخصیت کے بارے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں جو ہمد رسیجا ہی نہیں نامور ادیب بھی ہیں بلکہ ایک بامروت، لشریف الطبع، فقید المثال انسان بھی ہیں۔ ڈاکٹر ایم اے حفیظ دو اخانہ اسری میں ہمد رسیجا کی حیثیت سے

زندگی اور موت کی کشمکش سے زنجیر رکھنے والے انسانوں کی خدمت کرتے
آ رہے ہیں ڈاکٹر صاحب دو خانہ اسٹریٹ کے سینئر ڈاکٹر ہیں جن کے حسن اخلاق
اور ان کی حوصلہ افزاء گفتگو ہی سے مریم کی ادھی بیماری دور ہو جاتی ہے نہایت
مخلص ہمدرد انسانیت دوست آدمی ہیں ہزاروں مریعوں کی دعائیں
لے چکے ہیں اور ہزاروں دعاؤں کے زیر اثر اپنی مطمئن زندگی گزار رہے
ہیں دو خانہ اسٹریٹ کے مقبول ترین ڈاکٹروں میں ان کا شمار ہوتا ہے ۔
ڈاکٹر حفیظ بیہوش میسجائی میں ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ قرطاس و قلم کی آبرو
بھی بیڑھا رہے ہیں ایک ادیب اور ایک ممتاز دانشور کی حیثیت سے
زبان و ادب کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب سے میری شخصی
ملاقات آج سے دو سال پہلے نظام آباد میں منعقدہ قلم ہند مشاعرہ میں
ہوئی تھی انہوں نے ازراہ شاعرانہ ذوق مجھے سلام کیا میں مشاعرہ گاہ میں
نظام آباد کے مقبول ترین شاعر جمیل نظام آبادی سے محو گفتگو تھا۔ حفیظ صاحب
نے جب اپنا نام بتایا تو میں نے مصافحہ کیا اور مصافحہ کی منزل پر اپنی گرفت کو
مضبوط رکھتے ہوئے بے حد مسرت محسوس کیا اور دریافت کیا کہ آپ وہی
ایم اے حفیظ تو نہیں جو مجھ سے تعلق رکھتے ہیں انہوں نے اپنے بھرپور سپر اثر
آواز میں اثبات میں جواب دیا۔ اس ملاقات کے دوران میں نے محسوس
کیا کہ ڈاکٹر حفیظ میرے لیے اچھی نہیں ہیں۔ سیاست میں شغور شدہ وہ تحریریں
جو عصر حاضر کے اہم مسائل پر ضبط تحریر میں لائی گئیں تھیں ایک ایک کر کے یاد
آتی رہیں۔ ڈاکٹر حفیظ زندگی کے مختلف مسائل پر عام فرسائی کا ملکہ رکھتے ہیں

ڈاکٹر حفیظ کو اردو شعر و ادب سے کافی لگاؤ ہے بہت ہی سلیحانہ ادبی ذوق رکھتے ہیں مشاعروں کے مشوقین ہیں شعر فہمی کی اعلیٰ صلاحیتوں سے مزین ہیں ادبی ٹرسٹ اور شعری کمیٹی کے مشاعروں میں بہ پابندی شرکت کرتے ہیں۔ اجمالی گفتگو کے بعد جو انتہائی خوشگوار فضلاء میں ہوئی۔ میں اُنکی ٹوڈ میں شعر نشینی پر بیٹھ گیا۔ ڈاکٹر حفیظ بھی سامعین کی اگلی صف میں بیٹھ گئے۔ میں نے دیکھا کہ ڈاکٹر حفیظ ہر اچھے شعر پر دل کھول کر داد دے رہے ہیں۔ اس مشاعرہ میں کل چند مشاعروں کے نامور شعراء و اعلیٰ آکسی، مولج فیض آبادی، ملک زادہ منظور احمد کے علاوہ حیدر آباد کے شعراء میں رئیس اختر اور راقم الحروف بھی شامل تھے مشاعرہ نہایت کامیاب رہا۔ ڈاکٹر حفیظ کے داد دینے کا طریقہ بھی مجھے پسند آیا۔ انتہائی باوقار انداز میں شعراء کو داد و تحسین سے نوازتے رہے۔ اس مشاعرہ کے کچھ مہینوں بعد بزم جوہر کے ادبی اجلاس میں ڈاکٹر حفیظ سے ملاقات ہوئی۔ میں نے یہ سمجھا تھا کہ ڈاکٹر حفیظ نے ایک سامع کی حیثیت سے شرکت کی ہے ڈاکٹر راہی نے جب ڈاکٹر حفیظ کو نہ اکراہ میں اظہار خیال کی دعوت دی تو میں دیکھتا ہی رہ گیا۔ اتفاق سے میں بھی مبصر کی حیثیت سے شریکِ محفل تھا تبھی اجلاس کو مخاطب کرنا تھا تقریر کے دوران ڈاکٹر صاحب اپنے معلومات و تجربات کا خزانہ لٹاتے رہے ڈاکٹر صاحب بہ قدرت نے پُرکشش لب و لہجے سے نوازا ہے میں اُن کے ہر جامع جملہ سے متاثر ہوتا رہا۔ اور دل ہی دل میں سوچتا رہا کہ اگر اس طرح کی باکمال شخصیتیں قلم کاروں کی فہلوں میں رونق افروز ہوتی لیں تو محفلیں پُر نور ہوتی جائیں گی۔ میں نے اُن سے خواہش کی کہ آپ بزم جوہر کے ادبی جلسوں کے علاوہ شہر کی محفلوں میں بھی شرکت

کریں۔ خاص طور پر میرے زیر اہتمام ادبی اداروں میرا شہر میرے لوگ وغیرہ
 میں۔ لیکن ڈاکٹر صاحب اپنی عظیم الفرصتی کی وجہ سے پوری طرح میری
 خواہش کو عملی جامہ نہیں پہنایا سکے۔ گاہے گاہے ہماری محفلوں میں دکھائی
 دیتے ہیں۔ لیکن میں نے یہ سنا ہے کہ وہ اردو گھر میں مستوفیہ بعض جلسوں
 اور مشاعروں میں شرکت کرتے ہیں مجھے اردو گھر کے بعض مشاعروں میں
 ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کا مشرف حاصل ہوا۔ ڈاکٹر صاحب اس طرح
 ادبی جلسوں اور مشاعروں میں شریک رہتے ہیں کہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ
 پوری طرح اس ادبی محفل اور مشاعرہ کا ایک اہم حصہ بنے ہوئے ہیں۔
 اخبار سیاست اور مہنف میں میں بڑی دلچسپی کے ساتھ ان کے مضامین
 پڑھتا ہوں۔ ایسا نہیں کہ ڈاکٹر صاحب صرف اردو سے ہی دلچسپی رکھتے ہیں
 بلکہ ان میں کافی سیکی شمعو رہے ان کا مشاہدہ بہت تیز ہے ان کے
 تجربات اپنی آپ مثال ہیں ڈاکٹر صاحب دورانِ تقریر اپنے موضوع سے
 ہٹ کر کوئی اور بات نہیں کہتے۔ شاید یہ اس لیے بھی ممکن ہو سکا ہے
 کہ وہ ہر موضوع پر اظہارِ خیال کی مکمل صلاحیت رکھتے ہیں۔ لب و لہجے کی
 شائستگی اور اظہارِ خیال کی برجستگی جب پیرائے لفظوں کا جامہ پہن
 کر ڈاکٹر حقیقہ کے دائرہ اختیار میں آجاتی ہے تو وہ نہایت سلیقے سے دامان
 شعروادب کو ہلکانے رہتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی آواز میں کشش ہے
 مخاطب کو ان کا انداز گفتگو بے حد پسند آتا ہے جب تک وہ محو گفتگو
 رہتے ہیں سنتے رہتے کوئی چاہتا ہے ڈاکٹر حقیقہ اپنے برگزیدہ پیغمبرِ طب

سے قسمت پلنے کے بعد کچھ زیادہ وقت اور ادبیات کی آبیاری کے لیے بھی دینے رہیں تو زبان و ادب کی بڑی خدمت ہوگی۔ ڈاکٹر صاحب کی مسجاند سے یقیناً بہت سے پریشان حال مرلہنوں کے علاوہ اُن مرلہنوں کے لواحقین بھی تعاون حاصل کرتے ہوں گے جہاں تک میری معلومات ہیں خاص طور پر شہر کے بعض شعراء اور ادیب اُن کی خدمات سے استفادہ کرتے رہتے ہیں ڈاکٹر صاحب سے مجھے بھی یہ فائدہ ہوا کہ میں نہ صرف اپنے اہل خاندان کے لیے بلکہ اپنے بعض دوستوں کی مسجاند کے لیے بھی اُن کی خدمات سے بھرپور استفادہ کرتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب اپنے دوستوں کی سفارش کو سراٹھوں پر بٹھاتے ہیں اُن کی سفارش کی پند بھرانی کچھ اس انداز سے کرتے ہیں کہ ان کی انسانی ہمدردی اور شرافت کے گز گزے کو بھی چاہتا ہے ایک بار نہیں کسی اور۔ ڈاکٹر صاحب انتہائی سادہ، محنت پسند اور با فروت انسان ہیں۔ ان کا سلوک ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے ہی نہیں ایک اچھے انسان کی طرح سے بھی قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے یہ صحیح ہے کہ ہمارے شہر اور معاشرہ میں شرفاء کی کمی شدت سے محسوس کی جاتی ہے لیکن جب ڈاکٹر حفیظ جیسی انسانیت نواز شخصیتوں کے بارے میں خیال آتا ہے تو دلگاہ ہے کہ اس دنیا میں گہری تاریکیوں کے باوجود روشنی کی کرنیں اپنے وجود کا بھرپور احساس دلا رہی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب ایک با شعور ادیب ہیں ان کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ انگریزی، فارسی ادبیات سے بھی ان کا گہرا تعلق ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی زبان بکھری ستھری اور پیرائے شریف ہوتی ہے

ان کا لب و لہجہ چاہے وہ دوران گفتگو سمجھول بھولتا ہو یا خبریوں میں جلوہ افروز ہوتا ہو، ادب عالیہ کی شکل اختیار کیے ہوئے محسوس ہوتا ہے ڈاکٹر صاحب کی مختلف موضوعات پر سوجو و خبریں نا حال کتابی شکل اختیار نہیں کر سکیں۔ پورے مضامین نہ سہی اگر منتخب مضامین کا بھی مجموعہ شائع ہوتا تو زبان و ادب کی بڑی خدمت تھیوگی۔ میرا مشاہدہ ہے کہ دوا خانہ اسری کے تمام ڈاکٹرس اُن کے گرویدہ ہیں ان کا احترام کرنے ہیں جو نمبر ڈاکٹر سے ان کا سلوک مشفقانہ ہے دوستانہ بھی ہے اس لئے کہ ان کی نظر اپنے تمام ساتھی ڈاکٹروں پر یکساں اثر انداز ہوتی ہے اور وہ تمام کے تمام اُن کے حسن سلوک سے متاثر ہیں ڈاکٹر صاحب کی میمائی کا ایک اعلیٰ وصف یہ بھی ہے کہ وہ اپنے مخصوص وارڈز کے مریضوں کے علاوہ دیگر وارڈس کے مریضوں کے علاج معالجہ میں دلچسپی لیتے ہیں اور اُن کی ہر ممکن مدد کرتے ہیں۔

سے بہترین حسن سلوک اور ہمدردانہ طریقہ تشخیص و علاج نے انہیں بے حد مقبول بنا دیا ہے۔ خدا کا کرم ہی تو ہے کہ اُس نے ڈاکٹر صاحب کو دوہری صلاحیتوں سے سرفراز کیا۔ ایک صلاحیت ڈاکٹر کی حیثیت سے تو دوسری ادیب کی حیثیت سے۔ ڈاکٹر حفیظ ۲۵ اکتوبر ۱۹۴۳ء کو یہ مقام حمایت نگر ضلع ناندیال میں پیدا ہوئے۔ مراٹھی ذریعہ تعلیم سے درجہ اول میں میٹرک کامیاب کیا۔ ۱۹۶۲ء حمایت نگر (ناندیال) میں انٹر میڈیٹ امتحان کامیاب کیا۔ ناندیال ۱۹۶۴ء بورڈ میں فرسٹ کلاس فرسٹ (میرٹ)

ایم بی بی الیہ (۱۹۶۴-۶۱۹۶۹) یہ درجہ اول کا مہاب کیا۔ ۵ سال سرکاری ملازمت حکومت ہمارا شہر اہلیت ڈپارٹمنٹ میں کی۔ ۵ برس تک بیروت میں قیام رہا۔ اعزازی ملازمت جمعیتہ الہلال الاحمر سوسائٹی میں کی۔ اسی دوران ہاسٹل کے سپرنٹنڈنٹ بن گئے۔ فلسطینی قائد با سرعرات کے دو اہانوں میں کام کرنے کا موقع ملا۔ تعمیر ملت کے مہیڈیکل مشن کے ساتھ بیروت و لبنان گئے۔ طرابلس لبنان میں ڈسٹی ڈائٹر کڑطیابت کی حیثیت شمالی لبنان میں کام کرنے کا موقع ملا۔ دمشق میں ایک سال کام کیا۔ صحاء شمالی یمن میں ایک سال کام کیا۔ ایران (نہران) میں ۵ برسوں تک ملازمت کی۔ اسرائیلی اور فلسطینی جنگ کے دوران فلسطینیوں کی طبی خدمت بلا معاوضہ انجام دی۔ انہیں یہ اعزاز حاصل ہے کہ ۱۹۸۱ میں خمدوی مدعوین کی حیثیت سے انٹرنیشنل کانفرنس آف اڈکریسٹ سوسائٹی کی دعوت پر حجاب عبد الرحیم قریشی (تعمیر ملت) کے ساتھ بیروت کا دورہ کیا۔ ڈاکٹر حفیظ جب سانویں جماعت کے طالب علم تھے انہوں نے انگریزی میں نظم لکھی۔ اسکول میگزین میں اردو میں مضامین لکھے کالج میگزین کے لیے بھی مضامین لکھے۔ سیاست، رہنمائی، دکن، عوام اور منصف اخبارات میں مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں جو ادبی، فلاحی، اصلاحی طبی و سائنسی موضوعات پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ایک، وطن بھینہ میں (عادل آباد) میں۔ کلینک چلاتے تھے مختلف ادبی رسائل اخبارات میں مختلف موضوعات پر۔ ہم سے زائد مضامین شائع ہو چکے ہیں علامہ انبالی اور سحر لدھیالوی کی شاعری سے بہت زیادہ متاثر ہیں۔

جلسہ پاشاہ

(اردو تعلیمی تحریک کے علمبردار۔ لوہاں دواں شخصیت)

معاشرہ میں بااوقات جن باصلاحیت شخصیتوں کو نظر انداز کیا جاتا ہے وہ پوری طاقت کے ساتھ میدانِ عمل میں اُبھرتے ہیں پروردگارِ عالم جس شخص سے جو کام لینا چاہتا ہے وہ کام لاکھ مشکلوں کے باوجود بھی کامیابی کی منزلیں طے کرتا ہے۔ بعض لوگ جن کے بارے میں یہ سوچا ہی نہیں جاسکتا کہ وہ کچھ ایسے کارنامے انجام دیں گے جو ساری قوم کے لیے مثالی بن جائیں۔ ہمیں معاشرہ میں کچھ ایسے لوگ بھی مل جاتے ہیں جو اپنے کام میں لگے رہتے ہیں اور جب تک وہ اپنی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچتے اپنا سفر بلا ٹکانہ جاری رکھتے ہیں ان کے راستہ لہذا تمام دشواریاں دور ہو جاتی ہیں۔ اس طرح کے لوگ صرف کام کرنا جانتے ہیں وسائل کی پرواہ کیے بغیر میدانِ عمل میں کود پڑتے ہیں اور جب وہ اپنی سرگرمیوں سے والہانہ والیت ہو جاتے

تو خدا ان کی مدد کرتا رہتا ہے۔

جلیل پاشا نے اردو تعلیمی میدان میں اس قد اہم کارنامے انجام دیئے ہیں کہ انہیں اردو کے لیے کام کرنے والے لوگوں میں ہمیشہ عزت و توقیر سے دیکھا جاتا ہے۔ جلیل پاشا ایک فعال کارکرد اور متحرک شخصیت کے مالک ہیں۔ جب وہ کسی کام کو انجام دینے کے لیے قدم بڑھاتے ہیں تو اسے سنبھالنے کی تمام دشواریاں دور ہو جاتی ہیں۔ جلیل پاشا گذشتہ ۳۳ برسوں سے اردو زبان اور اردو تعلیمی تحریک کے لیے ایک چلتی پھرتی مشین کی طرح رواں دواں ہیں۔ یہ تعلیمی کمپنی ۳۳ سال قبل قائم ہوئی۔ وہ کل ہند اردو تعلیمی کمپنی کے بانی صدر نشین ہیں انوار العلوم کالج کے طالب علم رہے ہیں۔ انہیں اردو زبان سے غیر معمولی دلچسپی ہے۔ جلیل پاشا نے انوار العلوم کالج سے گزرا جویشن کیا۔ طالب علمی کے زمانے میں طلباء یونین سے وابستہ ہو گئے۔ تلگو زبان سے وابستگی کے باوجود انہوں نے اردو زبان سے اپنا رشتہ قائم کیا۔ پرنسپل انوار العلوم کالج جناب خلیل اللہ حسینی صاحب نے انہیں اردو کار کے لیے کام کرنے کی تلقین کی۔ جلیل پاشا اپنی تقریر دیا کرتے ہیں کہ میں نے انہوں نے خلیل اللہ حسینی صاحب کو اپنا آئیڈل بنایا ہے۔ انہوں نے علمی میدان میں قدم رکھا ہے جلیل پاشا اردو کے مسائل پر کئی احتجاجی جلسوں میں نمایاں کام انجام دے چکے ہیں۔ بھوک ہڑتالوں میں عملاً حصہ لیا۔ اردو کا پرچم ہاتھ میں لیے حکومت کے دروازوں پر

دشمن دی۔ غیر معمولی صلاحیتوں کے حامل انسان ہیں۔ اردو تعلیمی مسائل پر جتنے جملے انہوں نے کیئے ہیں شاید ہی حیدر آباد کی کسی انجمن نے کیئے ہوں۔ اردو زبان کے مختلف مسائل پر متعلق حکومت آندھرا پردیش نے جتنے احکامات جاری کیئے ہیں۔ ان میں سے بیشتر کے محرک جلیل شاہ ہیں اور جتنے احکامات کاریکار ڈان کے ہاں موجود ہے شاید ہی حیدر آباد کی کسی انجمن کے ہاں موجود ہو۔ جلیل شاہ ہیں ایک خاص بات نوٹ کرنے کے قابل یہ بھی ہے کہ انہوں نے کبھی بھی حکومت سے یا اردو والوں سے اپنی محنت کا صلہ نہیں مانگا۔ جلیل شاہ نے کل ہند اردو تعلیمی کمیٹی کی جانب سے شہر میں بے شمار جلسوں کا اہتمام کیا۔ کل ہند نوعیت کے تقریباً ۲۴ اردو کانفرنس، سیمینار، سمپوزیم اور اسکیمز کے تعلیمی و فلاحی مسائل کے لیے بھی کئی جملے منعقد کیئے اور اس طرح کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ چیف منسٹر حکومت آندھرا پردیش ڈاکٹر ایم جیاریڈی نے جلیل شاہ کو ۱۹۹۰ء میں اردو اکیڈمی کا صدر نشین نامزد کیا تھا۔ جلیل شاہ نے اپنے صدارتی دور میں جو نمایاں خدمات انجام دی ہیں انہیں اردو والے کبھی بھلا نہیں سکتے۔ جلیل شاہ نے جب اردو اکیڈمی کے صدر نشین کی حیثیت سے جائزہ لیا تو انہوں نے سب سے پہلے اکیڈمی کے ظاہری حسن کی بے وفاری کے لیے دلچسپی لی۔ اکیڈمی کے لیے کوئی موٹر نہیں تھی انہوں نے اکیڈمی کے لیے موٹر خریدی۔ بہترین فرنیچر کا انتظام کیا۔ اسٹاف کے لیے ہر ممکنہ سہولیتیں مہیا کیں۔

جلیل پاشاہ تفریباً ۸۱ ماہ تک صدر نشین رہے۔ ہر مستحق شاعر و ادیب کی کتابوں کے مسودوں کو گرانٹ دی ہے۔

میں اردو تعلیمی کمیٹی سے زائد از ۲۵ برس سے وابستہ ہوں۔

جلیل پاشاہ سے میرے گہرے مراسم ہیں۔ جب میں سیکریٹریٹ میں تھا ان دنوں جلیل پاشاہ سے اکثر ملاقات ہوتی تھی۔ محکمہ تعلیمات کے اعلیٰ عہدہ داروں سے ان کے روابط تھا (آج بھی)

ہیں) اکثر معاملات میں وہ مجھ سے مشورہ کیا کرتے ہیں دوسرے جہان اردو کی طرح۔ لیکن وہ ہمیشہ اپنے ذاتی فیصلہ کو ترجیح دیتے ہیں نہایت

حکمت عملی کے ساتھ سب کو اپنے ساتھ لے کر چلتے ہیں۔ میں یہ بھی کہنے کے موقف میں ہوں کہ جلیل پاشاہ نے کئی اہم شخصیتوں کو اپنے جلسوں میں مدعو کیا ہے۔ آٹھ دن تعلیمی کمیٹی کی جانب سے مختلف موضوعات پر جلسے ہوتے رہتے ہیں۔ میں ان کے تفریباً

تمام جلسوں میں مدعو رہتا ہوں۔ مولانا ابوالکلام آزاد قومی اردو یونیورسٹی کے قیام کے سلسلے میں جلیل پاشاہ نے غیر معمولی خدمات انجام دی ہیں

اس بات سے کوئی بھی شریف آدمی انکار نہیں کر سکتا کہ جلیل پاشاہ نے اردو یونیورسٹی کے قیام کے لیے جتنی کوششیں کیں اتنی کوششیں

کسی اور نے نہیں کی۔ ویسے یونیورسٹی کے قیام کے دعویدار بہت

سے ہیں جو کہتے ہیں کہ انہوں نے اہم رول ادا کیا۔ جلیل پاشاہ

قومی کونسل برائے فروغ اردو دہلی کے رکن متفرر کبے گئے ہیں۔ کانگریس

پارٹی سے برسوں ان کا تعلق رہا۔ حکومت کے سربراہوں نے ہمیشہ ان کے تعلقات خوشگوار رہے۔ خاص طور پر محکمہ تعلیمات کے اعلیٰ عہدہ داروں سے بہت زیادہ قریب رہے۔ محکمہ تعلیمات کے عہدہ داروں سے اردو اور اردو تعلیمی مسائل کے سلسلے میں کامیاب نمائندگی کی گئی۔ کمیٹی کی جانب سے مشاعروں کا بھی انعقاد عمل میں لایا جاتا ہے جس سے مستفیدین صلاح الدین نیر اور رئیس اختر رہا کرتے۔

جلیل پاشا کل ہند اردو تعلیمی کمیٹی کی سالانہ تقاریرب شاندار پیمانے پر منعقد کرتے ہیں۔ انہنٹائی مخلص

دوستی کے قابل انسان ہیں۔ اردو کا زکے لیے انہوں نے اپنی ساری زندگی وقف کر دی ہے۔ جلیل پاشا نے اندر اپریہ دشنی گورنمنٹ ڈگری کالج برائے طبابت کے لیے کامیاب کوشش کی۔ انہوں نے اپنی ذاتی کوشش سے کالج بلڈنگ کے لیے سابق ایم پی جناب ایم۔ ایم ہاشم سے ایک کروڑ ۲ لاکھ روپے ایم پی فنڈز سے حاصل کیے۔ ان ہی کی کوششوں سے حیدرآباد میں نرق اردو بیورو وزارت قردع

انسانی وسائل حکومت ہند کی جنوبی ہند کی شلخ کا قیام ۱۹۸۲ء میں عمل میں آیا۔ گورنمنٹ گرلز جو نیر کالج ناپلی میں ۱۸ سال سے مرکز خوش نویسی کامیابی کے ساتھ چلا رہے ہیں۔ جلیل پاشا کے کچھ مخصوص دوست ہیں جو ان کے جلسوں میں لازماً دکھائی دیتے ہیں۔ ان میں، میں اور رئیس اختر بھی شامل ہیں۔ جس نے میں وہ

اُردو اکیڈمی کے صدر نشین تھے اُن دنوں اُردو اکیڈمی کا بجٹ بہت کم تھا جلیل پاشا نے اپنی شخصی کوششوں سے سالانہ ۴۰ لاکھ محترانہ منظور کروائی۔ جلیل پاشا کی صدر نشینی کے زمانے میں اکیڈمی کے سکریٹری مسعود بن سالم تھے جنھوں نے جلیل پاشا کا بہت زیادہ ساتھ دیا اور اپنے مفید مشوروں سے اکیڈمی کی کامیابی کا مہیا ب سرگرمیوں کو بڑھایا۔ جلیل پاشا بلا جھجک، جرأت کے ساتھ اُردو کے مسائل حکومت کے سربراہوں کے سامنے پیش کرتے رہے ہیں۔ چاہے وہ کانگریسی حکومت ہو کہ تلگودیشم حکومت، جلیل پاشا سے تعاون حاصل کرتی رہی۔

جلیل پاشا میں ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ جس کام کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں اس کو پوری تکمیل کو پہنچانے تک دم نہیں ہٹتے جلیل پاشا کا ہر اس جگہ نام لیجاتا ہے جہاں اُردو سے متعلق مسائل کا ذکر چسپڑا جاتا ہے۔ زائد ازیں ۳۰ برس سے اُردو تعلیمی تحریک کے مشعل بردار رہے ہیں اور اُن کی پیچھے محبان اُردو کا تاغملہ رواں دواں ہے۔

افضل حسین

مثالی دوست، شریف النفس انسان

وہ لوگ جو اولین ملاقاتوں کی یادگار ہوتے ہیں برسوں گزرنے کے باوجود بھی بھلائے نہیں جاسکتے اور پھر وہ لوگ جو اپنی محنت، شرافت اور اپنی بے ساختہ البتگی کا مظہر ہوا کرتے ہیں ان کو بھولنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور ایسے ہی لوگ نہ ندگی کے آخری لمحوں تک رفیقِ دل کی طرح ساتھ ساتھ رہتے ہیں افضل حسین بھی میرے ایک ایسے ہی دوست ہیں جو مجھ سے کبھی جدا نہیں ہوئے۔ نہایت ابا نادر، خلص، محبت شناس، دوستی کے قابل انسان ہیں نہایت اعلیٰ ظرف، باکردار، اصول پسند اور بے غرض مراسم کے آئینہ دار افضل حسین سے اگرچہ برسوں ملاقات نہیں ہوتی لیکن میں انہیں ہر وقت اپنے قریب یا تابلو افضل حسین سکریٹریٹ سے اسٹیٹ سکریٹری کی حیثیت سے رٹائر ہوئے۔ اُن سے میری پہلی ملاقات محکمہ ڈائریکٹر کینیوٹی پراجکٹ میں ہوئی تھی جہاں ان کا تقرر بحیثیت ٹائپسٹ ہوا تھا افضل حسین کے تقرر سے کچھ عرصہ پہلے

اسی محکمہ میں بہ حیثیت کلرک میر انقر ہوا تھا میجر گرو سوامی ڈاکٹر کرتھے۔ افضل حسین کے علاوہ خواجہ بہا الدین، خواجہ معین الدین، علیم الدین، پیر عبا کراؤ کشیا کرن، علی نواز خان اور سینیئر اسٹاف میں محمد عتوری، محمد افضل، عبدالرحیم اور مشتاقی کلرڈ وغیرہ تھے تلنگانہ کے کافی لوگ اس محکمہ میں ملازم تھے ہمارا ایک اچھا خاصہ حلقہ بن گیا تھا لیکن بہت جلد ہمارا محکمہ سکریٹریٹ میں ضم ہو گیا جب ۱۹۵۶ء میں لسانی بنیاد پر ریاست کی تشکیل جدید عمل میں آئی تو ہمارا محکمہ بھی بعض محکموں کی طرح سکریٹریٹ میں ضم ہو گیا ہم تمام سکریٹریٹ کے پلاننگ محکمہ سے وابستہ ہو گئے۔ اس محکمہ میں کچھ ملازمین پہلے ہی سے برسر کار تھے لیکن تنظیم جدید کے وقت علاقہ آندھرا اور علاقہ تلنگانہ کے ملازمین ایک ساتھ آئے۔ آندھرا اور تلنگانہ کے ملازمین کی سینارٹی کی فہرست مشترکہ ترتیب دی گئی۔ پلاننگ ڈیپارٹمنٹ میں میری تعیناتی قصیدہ انتظامی (۵۰.۲.۱) میں ہوئی اول افضل حسین کی اکاؤنٹس سکشن میں ہوئی آندھرا اور تلنگانہ ملازمین کے ملاپ نے ایک نئی صورت حال کو جنم دیا۔ اور ملازمین آندھرا، خیدر آباد کے ماحول میں ڈھلنے لگے۔ بعض ملازمین آندھرا اردو میں بات کرنے تھے ہندو زبان تمام ملازمین آندھرا اردو میں بات کرنے کے قابل ہو گئے۔ برخلاف اس کے ملازمین تلنگانہ تلگو میں بات کرنے میں تھک محسوس کرنے تھے بعض ملازمین تلنگانہ تلگو سے قطعی نااہل تھے وہ اپنے آندھرا ملازمین سے انگریزی میں بات کرتے تھے بعض آندھرا ملازمین کرنل، کمرپ، اسٹنٹ پورجیے اضلاع سے تعلق رکھتے تھے جہاں اردو زبان بولی جاتی تھی وہ بہ آسانی اردو میں بات کرنے لگے کچھ

ہی برسوں کے بعد صافی ہم آہنگی میں اضافہ ہوتا گیا۔ تلنگانہ ملازمین کے مقابلے
 میں آندھرا ملازمین کی تعداد میں اضافہ ہو کر ان کی تعداد زیادہ ہو گئی تقریباً
 تمام بڑے عہدوں پر ملازمین آندھرا فائزر تھے یہاں تک کہ سکشن آفیسروں میں
 بھی ان کی اچھی خاصی تعداد تھی۔ آندھرا ملازمین کو اپنی برتری کا احساس تھا
 وہ تلنگانہ ملازمین کو دوسرے درجہ کے شہری سمجھتے تھے لیکن اس صورتحال کا
 اتفاق نہ کرنے والے کچھ ملازمین تلنگانہ موجود تھے جب تلنگانہ کے ساتھ نا انصافی
 کی جانے لگی۔ ان کی سینیا ریٹی مناشر کی جانے لگی تو تلنگانہ ملازمین کی ایک اسوسی ایشن
 متحرک ہو گئی۔ اور ہر نا انصافی کے خلاف حکومت کے دروازوں پر دستک دی
 جاتی رہی۔ تلنگانہ ملازمین اپنی سینیا ریٹی اور اپنی قابلیت کی وجہ سے ترقی پاتے تھے
 مجھے سکشن آفیسر (گزٹڈ) ترقی ملائی میں ۱۲ برس اس عہدہ پر رہا۔ افضل
 حسین بھی سکشن آفیسر بن گئے میرے ریٹائرمنٹ کے بعد افضل حسین اسٹنٹ
 سکریٹری بن گئے اور ہوم ڈیپارٹمنٹ میں ایک اہم عہدہ پر کام کرتے رہے
 ہماری دوستی ابتدا ہی سے مستحکم رہی۔ نجایٹ راج ڈیپارٹمنٹ میں میرے
 علاوہ پیر ہا کرادیک، کپا کرن، نر سہار دیو، ارجن، اچن، آریس میں بہت اچھے
 دوست تھے ہم تلنگانہ کے ماحول اور اردو زبان و حیدر آبادی تہذیب کو پروان
 چڑھانے میں بہت اہم تھا۔ ہم نے جے جے ایم لوگ ۱۹۵۶ء میں سکریٹریٹ میں
 داخل ہوئے اس وقت غالباً ہم تلنگانہ کے ملازمین موجود تھے تلنگانہ
 کے اتنے زیادہ ملازمین ہوئے کہ باوجود کوئی اردو اسوسی ایشن نہیں تھی۔ میں نے
 اپنے دوستوں، خواجہ بہار الدین، علیم الدین، افضل حسین، علی نواز خان، کشن کر

پر رہا کرواؤ محکمہ تعلیمات کے سائنسی عیاس ہاشمی کی مشاورت سے سکریٹریٹ اردو
 اسوسی ایشن قائم کی اور حیب تک ہم سکریٹریٹ میں رہے عظیم الشان
 یہیلنے پر سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کی ادبی نقاریب و متاعرے مستفید
 کرنے رہے۔ اب بھی سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کا وجود باقی ہے لیکن اس
 کی سرگرمیاں بڑی حد تک ماند پڑ گئی ہیں میں ریٹائرمنٹ کے باوجود
 اسوسی ایشن کی سرگرمیوں میں دلچسپی لیتا رہا۔ کئی پروگرامس میں تعاون کرتا رہا
 شکیل احمد اسوسی ایشن کے سکریٹری تھے انہوں نے میرے مشورہ سے بعض اچھے
 پروگرامس کیے لیکن دو سال پہلے وہ کینیڈا چلے گئے اب سکریٹریٹ میں کوئی
 ایک شخص ہی ایسا دکھائی نہیں دیتا جو سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کی سرگرمیوں
 کو جاری رکھے۔ افضل حسین ایک اچھے افسانہ نگار بھی ہیں ممتاز کاظمی ان کا قلمی
 نام ہے انہوں نے اسوسی ایشن کے آل انڈیا پروگرام میں کئی بار اپنے افسانے
 سنائے۔ انہیں اردو شعروادب سے کافی دلچسپی ہے کنا میں پڑھنے کا بہت
 شوق ہے آفس کے کام میں ماہر تھے ساری ملازمت انہوں نے بینک کے ساتھ
 گزاری۔ انتہائی فرض شناس ذمہ ور شخص تھے ریٹائرمنٹ کے بعد کئی برس تک
 ایک اسکول چلاتے رہے سکریٹریٹ میں خواجہ بہاء الدین، علیم الدین کی طرح
 افضل حسین بھی میرے انتہائی قریب ترین دوست رہے۔ افضل حسین نہایت
 خوددار، باحوصلہ، باکردار انسان ہیں یہی وجہ ہے کہ انہوں نے کبھی بھی اپنے
 انسروں کو شکایت کا موقع نہیں دیا۔ ان کا تمام مہنت ملازمت آئینہ کی
 طرح پاک و صاف رہی۔ نہایت دیانت داری کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو

بھلتے رہے۔ افضل حسین سکریٹریٹ اردو اسکی ایشن کی ہر تقریب میں ساتھ
 دیتے رہے۔ میرے بہت اچھے دوست ہیں ان سے ٹھیکہ قلبی لگاؤ ہے جتنی
 اچھی ان کی اردو ہے اتنی ہی اچھی ان کی انگریزی بھی ہے خاص طور پر ہوم
 ڈیپارٹمنٹ میں بہ حیثیت اسٹنٹ سکریٹری نمایاں خدمات انجام دیں۔ ان
 کی ملازمت کا زیادہ مدت پینچاسیت راج ڈیپارٹمنٹ میں گزری۔ محکمہ کے افسروں
 سے ان کے اچھے مراسم تھے وہ ان کے بہترین کام کی ستائش کرنے تھے خود افضل حسین
 نے بھی کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا۔ سکریٹریٹ میں ہم دونوں شورو شکر کی طرح بٹ
 میرے ریٹائرمنٹ کے ۲، ۳ سال بعد افضل حسین بھی ریٹائر ہوئے۔ اگر میں اپنے دوست
 اپنی رفاقتوں کی تفصیل کھنچا ہوں تو کئی صفحات درکار ہوں گے میں نے یہ فیس
 کیسا ہے کہ افضل حسین کبھی بھی آفس کی ذمہ داریوں میں تساہلی سے کام نہیں لیا۔ وہ
 کبھی کوئی کام پینڈنگ میں نہیں رکھتے تھے آفیسر کی میٹنگ میں ہمیشہ پوری
 تیاری کے ساتھ جاتے تھے ہر سوال کا جواب ان کے پاس رہتا تھا۔ جس حکمہ میں
 بھی رہے اپنی اعلیٰ کارکردگی کا ثبوت دیتے رہے۔ ابتدائی ملازمت سے لے کر
 اسٹنٹ سکریٹری کی ذمہ داری تک کبھی بھی سلسلے میں رشوت نہیں لی حالانکہ ہر حکمہ میں
 رشوت کا بازار گرم رہا کرتا ہے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان کا سیرادرا نہ سلوک رہا
 بلا تخصیص مذہب و ملت و علاقہ سب کے ساتھ مل کر رہے یقیناً وہ اپنے آپ
 پر فخر کر سکتے ہیں کہ ساری سروس میں ان کا دامن آلودہ نہیں ہوا۔ افضل حسین جیلاکار
 ہی میں ہیں لیکن ان سے ہر سورت ملاقات نہیں ہوتی۔ اب تو وہ کچھ زیادہ ہی مہم و
 علوۃ کے پائید ہو گئے ہیں مذہبی معاملات میں کافی دلچسپی لے رہے ہیں۔

ڈاکٹر اندو شست

(ہندی اردو کی نامور شاعرہ - ممتاز عثمانیہ)

ہمارا شہر محبت حیدر آباد فرخندہ بنیاد جہاں گنگا جمتی نہند ہے
 آپسی بھائی چارگی اور تہذیبی و ثقافتی روایات کے لیے شہرت رکھتا ہے
 وہیں لسانی ہم آہنگی کے لیے بھی منشور ہے بالخصوص اردو ہندی کی
 بعض انجینئرز اپنی آپس مثال ہیں۔ اردو ہندی کے ادبی جلسوں اور مشاعروں
 میں دونوں زبانوں کے اہل قلم اور صاحبانِ ذوق شریک رہتے ہیں۔
 ایک زمانے میں اس ترقی اردو کے ہر گھرے جلسے میں ہندی کی بڑی انجمنوں
 ہندی پریس سوسائٹی وغیرہ کے سربراہوں کے علاوہ ہندی کے شاعر و ادیب لازماً
 شرکت کرتے تھے بلکہ سنسکریٹ، مرہٹی، تلگو زبانوں کے دانشور بھی شریک رہتے تھے
 جاسم عثمانیہ بھی ان تمام زبانوں کی اعلیٰ تعلیم ہو کر تھی ہے نہ صرف آج بلکہ قیام
 جاسم عثمانیہ کے زمانے سے ہی اس طرح کا ماحول رہا ہے ہمارے شہر میں ادارہ
 میرا شہر میرے لوگ، خوشنید احمد جانی، بیوریل اکیڈمی اور سوغات نظر اور

ہندی کی انجینئری گیت چاندنی اور ہندی بیکھک سنگھ کے جلسوں اور مشاعروں میں اردو ہندی کے شاعر و ادیب شرکت کرتے ہیں۔ انجن ترقی اردو ادارہ ادبیات اردو اور ہندی پر چار سہاکی محفلوں میں بھی دونوں زبانوں کے شاعر و ادیب شریک رہا کرتے ہیں ہندی اور اردو کی کچھ اور انجمنوں نے بھی اس روایت کو باقی رکھا ہے اس طرح کی سانی ہم آہنگی کا ماحول جامعات اور کالجوں میں بھی ملتا ہے غرض یہ کہ ہمارا شہر اپنی اعلیٰ روایات کی پاسداری کرتے ہوئے اعلیٰ اقدار کی نگرانی کیا کرتا ہے اس طرح کے ملے جلے ماحول کی پیروی ہندی کی نامور شاعرہ ڈاکٹر اندو وشنٹ بھی ہیں جنہیں عثمانیہ ہونے پر فخر حاصل ہے اگرچہ ان کی پیدائش بھنوی میں ہوئی لیکن حیدرآباد میں سکونت کے بعد یہیں کی ہو کر رہ گئیں۔ ڈاکٹر اندو وشنٹ حیدرآباد کی ہندی شاعرانہ سر فہرست ہیں اور ان کا یہ خصوصی موقف گذشتہ ۲۵ برسوں سے برقرار ہے ڈاکٹر اندو وشنٹ نے جامعہ عثمانیہ سے ہندی میں ایم اے کیا۔ اور یہیں سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری لی۔ کئی برسوں تک ہندی ہما دو یا لیب (ہندی کانٹ) میں پکھرار رہیں پھر جامعہ عثمانیہ میں ہندی کی پکھر کی حیثیت سے ان کا تقرر ہوا۔ جہاں ترقی کرتے ہوئے ریڈر بنیں پروفیسر بنیں اور صدر شعبہ ہندی کی حیثیت سے بھی کام گزار رہیں۔ جامعہ عثمانیہ سے ہی وظیفہ محنت پر سبکدوش ہوئیں مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ میں نے ہندی آرٹس کانٹک کے ایک مشاعرہ میں انہیں دیکھا اور سنا تھا یہ میری پہلی ملاقات اور شناسائی اردو ہندی کے ممتاز ادیب

بشورہ رادھندی آئیں کالج کے پرنسپل تھے ڈاکٹر اندو وشنٹ اس کالج میں
ہندی کی بکچر تھیں کیٹھور رادھ صاحب کی زیر نگرانی ہندی بھاو دیالہ میں مشاعرہ
کا انعقاد عمل میں لایا گیا تھا مجھے اردو کے شاعری حیثیت سے مدعو کیا گیا تھا
مشاعرہ میں میں نے ڈاکٹر اندو وشنٹ کو پُرسوز ترنم میں کلام سناتے ہوئے
دیکھا اور اس قدر متاثر ہوا کہ جی جانتا تھا کہ اُن سے اُن کا کلام سننا ہی بہت
ڈاکٹر اندو وشنٹ کی ہندی شاعری، اردو شاعری کے بے حد فریب ہے میں
تو انھیں اردو ہندی کی نامور شاعرہ ماننا ہوں اس لیے کہ ان کی شاعری کی
زبان خالص ہندوستانی ہے نہ تو پوری طرح اردو نہ پوری طرح ہندی۔
ڈاکٹر اندو وشنٹ اردو کی طالبہ نہیں رہیں لیکن انھوں نے جامعہ عثمانیہ اور
حیدرآباد کے اردو ماحول سے بہت کچھ استفادہ کیا۔ ہمارے شہر میں جب اہلی
ٹرسٹ اور بعد میں خوشنکرتی میموریل سوسائٹی کے کل ہند لٹریچر کے آغاز ہوا تو
میں نے ایک دن جناب محبوب جگر اور عاید علی خان صاحب سے کہا کہ ہمارے
شہر میں ہندی کی ایک اعلیٰ درجہ کی شاعر ہے جنھیں شاعروں میں مدد کیا جاسکتا ہے
اگر ہندی کے ممتاز شاعر نہپال سنگھ ورما کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر اندو وشنٹ کو
بھی مدعو کیا جائے تو لسانی ہم آہنگی کو تقویت پہونچے گی۔ ان کے کلام سے حیدرآباد
کے ہزاروں شائقین مشاعرہ استفادہ کر سکیں گے جگر صاحب اور عاید علی خان
صاحب کو میرا مشورہ پسند آیا اور اُن کے ارشاد کے مطابق میں نے ڈاکٹر اندو
وشنٹ کو سیاست آفس آنے کے لیے کہا وہ نہپال سنگھ ورما کے ساتھ آئیں
اور پھر جگر صاحب کی خواہش پر اپنا کلام سنایا۔ جگر صاحب اور عاید علی خان صاحب

نے اُن کے کلام کو بے حد پسند کیا اور سیاست میں اشتاعت کے لیے اُن سے کلام میرے توسط سے حاصل کیا اندو و شنٹ کا کلام ہندی رسم الخط کے ساتھ اردو رسم الخط میں ہی شائع ہوا سیاست اخبار اور ان دو بڑے مشاعروں کی دوستی سے ڈاکٹر اندو و شنٹ کی اردو حلقوں میں پہچان بن گئی۔ ڈاکٹر اندو و شنٹ کا بہت سارا کلام سیاست اخبار میں چھپتا رہا۔ ادنیٰ ٹرسٹ اور شنکر جی میموریل کے مشاعروں میں ادھر کچھ عرصہ سے اپنی ناسازی مزاج کی وجہ سے شرکت نہیں کر رہے ہیں سیاست اخبار ان کی شاعرانہ پہچان کے لیے بہت بڑا معاون رہا۔ پھر ان دو بڑے مشاعروں میں شرکت نے بھی ان کی شناخت میں کافی اضافہ کیا۔ ڈاکٹر اندو و شنٹ سے جب میرے شاعرانہ مراسم بطرف سے لگے تو میں نے انہیں اپنے زیر اہتمام ہر میاں میاں مشاعروں میں مدعو کرنا شروع کیا یہاں تک کہ میں نے راشٹر پتی نیلائم میں ڈاکٹر شنکر دیال شرما صدر جمہوریہ ہند کی زیر سرپرستی منعقدہ مشاعرہ میں بھی مدعو کیا اور راج بھون کے مشاعروں میں بھی مدعو کرنا رہا جبکہ جناب کرشن کانت گورنر آندھرا پردیش نے ڈاکٹر اندو و شنٹ کو بعض اہل ہند مشاعروں میں بھی اپنی معرفت مدعو کیا جن میں مدراس، جمشید پور، پیر بھئی، نانڈیہ، گلبرگہ وغیرہ کے مشاعرے قابل ذکر ہیں جدو آریاد میں ادارۃ میرا شہر میرے لوگ اور ایوان پرنس معظّم جاہ شجاع کے مشاعروں میں ڈاکٹر صاحب کی شرکت میرے مشاورت سے ہوئی رہی۔ پھر میں نے ایک دن بانی "مجلس خوانین ہمناز شاعرہ عظمت عبدالقیوم سے ان کا تعارف کروایا اور وہ میرے مشورہ

سے محفلِ خوانین سے وابستہ ہو گئیں۔ محفلِ خوانین کے عام جلسوں کے علاوہ سالانہ جلسوں میں شرکت کرتی رہیں محفلِ خوانین کے زیرِ اہتمام منعقدہ عزلوں کی رات تقاریب میں محفلِ موسیقی میں اُن کا کلام ساز پر پیش کیا جاتا رہا۔ محفلِ خوانین کے ادبی میگزین میں ان کا کلام شائع ہوتا رہا۔ ڈاکٹر صاحبہ کو اردو و ہندی کے بعض خصوصی ادبی تقاریب و مشاعروں میں ایوارڈز دیے گئے۔ ڈاکٹر اندو و شنسٹ جید آباد کے تمام اردو حلقوں میں اپنی محفّصہ شناخت رکھتی ہیں ادارہ میرا شہر میرے لوگ کی نائب صدر اور محفلِ خوانین کی نائب صدر رہ چکی ہیں ڈاکٹر صاحبہ کا ترجمہ بے حد متاثر کن ہوتا ہے اپنا کلام ترجمہ میں سناتی ہیں شاید ہی کبھی انہوں نے نخت میں کلام سنا یا ہو۔ ڈاکٹر اندو و شنسٹ یا وقار معتبر، شائستہ و شگفتہ شاعرہ ہیں۔۔۔۔۔ ہندی کے ادبی حلقوں میں ڈاکٹر صاحبہ کی شاعرانہ عظمتوں کا اعتراف کیا جاتا ہے اتنا ہی اردو حلقوں میں بھی انہیں قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے نہیال سنگھ ورمانے ڈاکٹر صاحبہ کی شاعرانہ پہچان کے لیے غیر معمولی خدمات انجام دی ہیں۔ ڈاکٹر اندو و شنسٹ ہندی کی کئی انجمنوں سے وابستہ ہیں گیت چاندنی کی صدر ہیں ہندی بیکھک سنگھ سے بھی ان کی وابستگی ہے سچ تو یہ ہے کہ ادھر زائد از دو دہوں یعنی ۲۰، ۲۵ برس سے نہیال سنگھ ورمانے اردو و ہندی کی ملی جلی تقاریب کے لیے جو خدمات انجام دی ہیں وہ ناقابلِ فراموش ہیں خاص طور پر گیت چاندنی کا کوئی ایسا مشاعرہ نہیں رہتا جس میں اردو کے شاعر شرکت نہ کرتے ہوں۔ اس وقت ہی نہیں کئی برسوں سے گیت چاندنی

مشاعروں اور ادبی جلسوں کے انعقاد کے سلسلے میں ہندی کی سب سے زیادہ سرگرم عمل
 انجمن ہے گیت چاندنی کے زیر اہتمام کئی غیر منفذی جلسے بھی ہوتے ہیں جس میں
 ہندی اردو کے بعض اہم اہل قلم خواہن و حضرات کو مدعو کیا جاتا ہے اردو
 حلقوں میں میرے علاوہ ہاشم حسن سجد سے ڈاکٹر صاحبہ کے اچھے مراسم
 ہیں جس زمانے میں ہاشم حسن سجد جامعہ عثمانیہ سے اردو میں ایم اے کر رہے
 تھے اسی زمانے میں ڈاکٹر اندو وشنٹ ہندی میں ایم اے کر رہی تھیں۔ ڈاکٹر
 اندو وشنٹ کی زیر نگرانی کئی طالب علموں نے ایم فل کی حکیلیں کی اور پی ایچ ڈی
 کی ڈگری لی۔ ڈاکٹر صاحبہ جامعہ عثمانیہ کی قابل اساتذہ میں شمار کی جاتی ہیں۔
 ہندی چھاو دیباہ میں بھی ایک کامیاب اور مقبول استانی رہیں۔ ان کا کلام
 ملک بھر کے معیاری ہندی رسالوں اور اخباروں میں شائع ہونا رہتا ہے
 ڈاکٹر صاحبہ کا کلام آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد کے دونوں شعبوں (ہندی۔
 اردو) کے زیر اہتمام۔ تقبیر ہونا رہتا ہے دور درشن سے بھی ہندی۔ اردو
 کے مشاعروں میں کلام سنا چکی ہیں اردو ادبی انجمنوں کے علاوہ ہندی کی ادبی
 انجمنوں اور اداروں کی جانب سے ڈاکٹر صاحبہ کو ایوارڈز مل چکے ہیں۔ کئی
 کتابوں کی مصنف اور مولف ہیں۔ حال ہی میں گیت چاندنی اور مہمان ہندی
 کی جانب سے شایان شان پیمائے پر ڈاکٹر اندو وشنٹ کی خدمات کے
 اعتراف میں ادبی تقریب منعقد ہوئی۔ جس میں ہندی اردو کے قلم کاروں
 نے ان کی شخصیت اور فن پر بھرپور روشنی ڈالی۔ اردو کے قلم کاروں میں راقم الحروف
 بھی شامل تھا۔

انجم قمر سوز

ممتاز شاعرہ پہلی غزلوں کی رات کی کنوینر

کچھ نام ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنی معنویت کا وجہ سے سننے والوں کو تجسس میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ انجم قمر سوز بھی ایک ایسا ہی نام ہے اس نام کے سمجھے ایک ایسی شخصیت کا وجود جلوہ فرمائے جو اپنی ہمہ جہتی خصوصیات کی وجہ سے نہ صرف اپنے فائدان بلکہ رشتہ داروں اور دوستوں میں بھی پسند کی جاتی ہیں۔ جب میں نے پہلی دفعہ یہ نام سنا تو مجھے بڑوں محسوس ہوا کہ شاید اس نام کے پیچھے کوئی غیر معمولی شخصیت ہوگی۔ انجم آپا مجھ سے عمر میں چھوٹی ہیں لیکن پتہ نہیں کیوں میں نے انجم قمر سوز کے بجائے انجم آپا کہنے کو ترجیح دی (شاید اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ میں ان کا احترام بھی کرتا ہوں) کچھ شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان سے پہلی ہی ملاقات کے بعد ہی کسی نہ کسی رشتہ سے منسوب ہونے کو خود بہ خود جی چاہتا ہے۔ ایک شاعرہ میں میں نے انجم قمر سوز کو پیرے کے دیکھے سے پیر سوز نثر میں کلام سلقے ہوئے سنا۔ اس نئی شاعرہ کا کلام ادب تر نرم مجھے پسند آیا۔ کچھ دن گزر گئے پھر یوں ہوا کہ ایک دن میرے ایک شاعر

دوست زاہد کمال کے بڑے بھائی مرزا صاحب نے جو آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد
 میں کسی شعبہ کے منتظم تھے مجھ سے اپنے گھر کی مخصوص محفلِ شعر میں شرکت
 کرنے کی خواہش کی۔ اُن کا گھر ڈاکٹر فخر الدین کے مکان کے روبرو تھا۔ اُس محفل
 میں ہی انجم فرسوز نے چلمن کے بیٹھے سے کلام سُنا لیا تھا۔ اُن دنوں عزیز فرشی
 پیر و گرام انگریز بیکو آل انڈیا ریڈیو خاتونِ شہزاد کا ایک مشاعرہ کرنا چاہتے تھے
 تھے وہ جانتے تھے کہ میں نہ صرف رسالہ خاتونِ دکن سے وابستہ ہوں بلکہ روزِ نا
 سبیا رت کے شعبہ شعر و سخن سے بھی تعلق رکھتا ہوں اس لئے انہیں یقین
 تھا کہ میں شاعرات کو آل انڈیا ریڈیو کے مشاعرہ میں مدعو کرنے کے سلسلے میں
 اُن سے بھرپور تعاون کروں گا۔ ایک دن انہوں نے مجھ سے خواہش کی کہ
 میں شاعرات کو مدعو کرنے کے سلسلے میں اُن سے تعاون کروں۔ میں نے یہ
 ذمہ داری قبول کی۔ اُس مشاعرہ کے لیے تقریباً ۱۵ اشعار کو مدعو کیا گیا
 تھا۔ میں نے نئی شاعرات میں انجم فرسوز کا نام بھی تجویز کیا ریشا ندر
 یادگار مشاعرہ آل انڈیا ریڈیو کے احاطہ میں مدعو سامعین کی موجودگی میں ہوا تھا
 مشاعرے کی اس محفل میں شہر کے ممتاز شاعروں، ادیبوں، دانشوروں
 اور با ذوق خواتین و حضرات کی کثیر تعداد نے شرکت کی تھی گراما فونم تھا
 قضا میں خود شگوارا حول کی بھیستی بھینی خوشبو عیسیٰ گئی تھی سارا ماحول معطر
 تھا۔ مشاعرہ سننے والے اس قدر شائستہ تھے کہ محسوس ہو رہا تھا کہ سب کے
 سب ایک ہی خاندان کے لوگ ہیں آدابِ محفل، اندازِ گفتگو، ملاقات
 کے طور طریق، سارے ماحول میں شگفتگی کا احساس دلایا ہے تھے۔ میں اپنے شاعر

دوستوں کے ساتھ پہلی صف میں بیٹھا ہوا تھا۔ خواتین کی نشستوں کیلئے مشاعرہ گاہ میں دائیں جانب انتظام تھا مشاعرہ کے آغاز سے قبل کسی نے مجھ سے کہا کہ شعیب خواتین سے کوئی محترمہ آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔ میں ان صاحب کے ہمراہ چلا گیا جیسے ہی میں خواتین کے سکتھن کے قریب پہونچا تو ایک اجنبی مگر جانی پہیانی آواز نے مجھے مخاطب کیا اور اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ میں انجم قمر سوز ہوں ویسے بھی میں نے دیکھتے ہی اندازہ لگایا تھا کہ یہ انجم قمر سوز ہی ہیں۔ بعد میں نے انجم قمر سوز کو اس مشاعرہ میں پہلی دفعہ دیکھا تھا اس مختصر تعارف کے بعد میں اپنی صف میں چلا گیا۔ کچھ دیر بعد مشاعرہ شروع ہوا۔ انجم قمر سوز نے پھر سوز نغم میں ایک خوبصورت غزل سنائی۔ سامعین نے داد و تحسین سے نوازا۔ انجم قمر سوز کا یہ پہلا مشاعرہ تھا جس میں انہوں نے پردہ سے باہر آکر کلام سنا یا تھا مشرقی تہذیب سے آراستہ اس مشاعرہ نے اپنے پھر سوز کلام سے ساری محفل کو متاثر کیا تھا اس مشاعرہ کے بعد سے انجم قمر سوز سے ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ محفل خواتین کی پہلی غزلوں کی رات کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں۔ میں نے صدر محفل خواتین عظمت عبد القیوم سے انجم قمر سوز کا تعارف کر دیا۔ انجم قمر سوز محفل خواتین کی رکن بن گئیں عظمت آپا نے میرے مشورہ سے انہیں غزلوں کی رات کا کنوینر نامزد کیا۔ غزلوں کی رات کے پیر و گرام کے سلسلے میں مجھے انجم قمر سوز سے بار بار ملنے کا اتفاق ہوتا رہا۔ اس کامیاب محفل موسیقی کے بعد بھی انجم قمر سوز سے ملاقاتیں ہوتی رہیں کبھی مشاعروں کے سلسلے میں تو کبھی مجموعہ کلام کی اشاعت کے بارے میں۔

ملاقاتیں جب زیادہ بڑھنے لگیں تو ہم دونوں تکلفات کے دائرہ سے باہر نکل کر بمبائی ہٹن کے پاکیزہ رشتہ سے منسلک ہو گئے۔ یہ رشتہ اب بھی اسی تازگی و شگفتگی اور جذباتی ہم آہنگی کے ساتھ برقرار ہے۔ انجمن آپا ایک بارہ صفت شخصیت کی مالک ہیں۔ میں اکثر ان سے خفا ہا کرتا تھا بھر خود ہی اپنے طور پر ان کے گھر جاتا۔ انجمن آپا نے ہمیشہ خلوص دل سے میرا استقبال کیا۔ انجمن آپا کے مزاج میں پہلی ملاقات کے وقت جو شگفتگی تھی آج بھی برقرار ہے آج بھی سرسبز و شاداب پھولوں کی طرح اپنے اہل خاندان، رشتہ داروں اور دوستوں میں اپنے خلوص کی خوشبو بانٹتی رہتی ہیں۔ انجمن قمر سوز کی شائستہ طبیعت، شرافت و نفس، مزاج کی نرمی اور روابط کی پاسداری نے مجھے ہمیشہ ہی متاثر کیا۔ میں ان کے رکھ رکھاؤ، انداز گفتگو اور لب و لہجے کے نیکی بن کے علاوہ ان کی شعری، ادبی و تہذیبی صلاحیتوں اور سچے ہوئے انداز فکر کا قائل ہوں۔ انجمن قمر سوز ایک خوشحال گھرانے کی حیثیت و چراغ ہیں جن کا سارا گھرانہ شعر و نغمہ کے ماحول سے پرشاد رہا کرتا ہے۔ انجمن قمر سوز کا مجموعہ کلام سوزِ قمر ۶۱۹۹۴ میں شائع ہو چکا ہے۔

(ماخوذ سلسلہ پھولوں کا ۶۱۹۹۴)

فاطمہ نسرتین

(گل تازہ کی طرح ہلکنے والی شخصیت و شاعرہ)

ہر شخص کو اپنی زندگی میں کچھ ایسے انسانی رشتوں سے بھی تعلق رہتا ہے جن کو کوئی خاص نام نہیں دیا جاسکتا۔ بظاہر بعض رشتے اس قدر اعلیٰ و ارفع ہوتے ہیں کہ جن کی شناخت سے بھی رشتوں کا وقار متاثر ہوتا ہے ایسے ہی ایک رشتہ سے مجھے بھی سالفہ پڑا تھا۔ اس رشتہ کو کوئی ایک اچھا سا نام دینے کے لیے مجھے بہت دن لگے اور اُس رشتہ کی پاکیزہ شکل فاطمہ نسرتین سے گل تازہ کی طرح ہلکنے والی شخصیت نے مجھے کچھ اس طرح متاثر کیا تھا کہ میں نے اُس ایک رشتہ میں تمام انسانی رشتوں کو تسبیح میں پیر وئے ہوئے دانوں کی طرح پایا۔ — فاطمہ نسرتین سے میری پہلی ملاقات دہلیس کلج سلطان بازار کوٹھی کے اسٹاف روم میں اُس وقت ہوئی جب میں صدر بزم اردو و عینس کلج سے ملنے کے لیے گیا تھا میرے ہمراہ نظام کلج کے طالب علم صادق نقوی (ڈاکٹر صادق نقوی ریڈر رشتہ تاریخ جامعہ عثمانیہ) بھی تھے چونکہ میں پہلی دفعہ دہلیس کلج جا رہا تھا اس لیے صادق نقوی میرے ساتھ تھے وہ ڈاکٹر دہلیس شکت سے واقف تھے

مجھے معلوم تھا کہ بزمِ اردو کی مشیر، اردو کی پچھرا ڈاکٹر خیمہ شوکت ہیں ہیں ان دنوں اردو کالج میں بی او ایل کا طالب علم تھا اور بزمِ اردو ادب کا صدر بھی۔ بین کلباتی بیت بازی کے مقابلے میں شرکت کی دعوت دینے کے لیے میں گیا تھا اردو کالج میں ان دنوں بین کلباتی بیت بازی کے مقابلے منعقد ہونے والے تھے جب میں نے ٹیمیں شوکت صاحبہ کے لئے خواہش کی کہ میں صدر بزمِ اردو ویمینس کالج سے ملنا چاہتا ہوں تو انہوں نے فاطمہ سرین کو بلا بھیجا اور مجھ سے تعارف کروانے ہوئے کہا کہ یہ فاطمہ سرین ہیں یہی صدر بزمِ اردو ہیں محضر قمارف کے بعد ویمینس کالج کی ٹیم کی تفصیل حاصل کرنے کے بعد جب میں لوٹ رہا تھا تو انہوں نے محسوس ہوا کہ اس لڑکی سے میرا کسی نہ کسی قسم کا رشتہ ہے۔ فاطمہ سرین اپنی ٹیم کے ساتھ اردو کالج آئیں۔ دوسری ملاقات کچھ دنوں بعد۔ یوم محمد قلی قطب شاہ نقاریب کے سلسلے میں ہوئی جہاں بیت بازی کا فائنل مقابلہ منعقد ہونے والا تھا مجھے پھر وہ ویمینس کالج جانا پڑا۔ فاطمہ سرین سے ملاقات ہوئی کچھ دن گزرنے کے بعد فاطمہ سرین نے میرے نام اپنے کالج کی سالانہ تقریب کا دعوت نامہ بھیجوایا۔ میں اس وقت ویمینس کالج پہونچا جہاں فنکشن ختم ہو چکا تھا مختلف کالجوں کے طلباء و طالبات اور اساتذہ واپس ہو رہے تھے۔ ریب سے آخر میں جانے والی اُستانی ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ تھیں۔ فاطمہ سرین دوبارہال کی بائیں جانب کالمیٹرھیوں کے پاس کھڑی ہوئی تھیں جیسے ہی میں پہونچا ان کے چہرے پر مسکراہٹ کی لہر دوڑ گئی اور مجھ اپنے ہمراہ ریفر شمنٹ روم میں لے گئیں۔ وہاں ہم نے چائے پی۔ کالج کی وداعی تقریب

کے بعد فاطمہ سے میری یہ آخری ملاقات تھی فاطمہ نے بی اے کرنے کے بعد جامعہ عثمانیہ میں ایم اے جغرافیہ میں داخلہ لے لیا۔ تقریباً ایک سال تک فاطمہ سے ملاقات نہیں ہوئی۔ ایک دن ہاشم حسن سجد کے ذریعہ ایک خط ملا۔ ہاشم نے وہ خط مجھے اردو کانٹن کے ایک فنکشن کے دوران دیا تھا فاطمہ نے گفٹ آنے کے لئے لکھا تھا کہ میں اُمس کی چھوٹی بہن فرخ کے لیے بی اے اردو کے نوٹس تیار کروں۔ فرخ کے لیے میں نے رات دیر تک جاگ جاگ کر نوٹس تیار کیے۔ فرخ اچھے نمبرات کے ساتھ پاس ہو گئی اس کے بعد مجھے کسی نہ کسی کام کے سلسلے میں فاطمہ سے ملنے کے لیے جانے کا اتفاق ہوتا رہا۔ میں نے اپنے مجموعہ کلام ”گل تازہ“ کی اشاعت کے موقع پر فاطمہ سے کتاب کے نام کے بارے میں مشورہ لیا تو کہا ”گل تازہ“ رکھ دیجئے۔ اچھا نام ہے مہکتا ہوا سا۔ اور میں نے گل تازہ نام رکھ دیا۔ فاطمہ سرین نے اپنی تمام غزلوں پر مجھ سے اصلاح لی ہے اور میں نے اس کی بہت سی غزلیں ماہنامہ خانوادہ دکن میں شائع کی ہیں۔ فاطمہ اس قدر نفیس، سیدھی سادی، پیروقار شخصیت کی مالک ہے کہ اُس نے کبھی اپنے رکھ رکھاؤ اور اپنی شخصیت کو محجرب ہونے نہیں دیا۔ اُس نے ہمیشہ مشرقی آداب اور مشرقی تہذیب کی پاسداری کی ہے نہایت مہذب، شائستہ اور پیروقار لہجے میں گفتگو کیا کرتی ہے بالخصوص سید نے فاطمہ کو جب غزلوں کی رات کے موقع پر دیکھا تو مجھ سے کہا تھا اس لڑکی میں تو مغلیہ حسن ہے۔ فاطمہ گذشتہ ۱۷، ۱۸ سال سے امریکہ میں ہے، دو تین سال میں ایک دفعہ حیدرآباد آتی ہے اور اپنی والدہ کے پاس بھرتی ہے اور جب تک حیدرآباد میں رہتی ہے میں اس سے ملتا رہتا ہوں۔ دو سال پہلے جب

حیدر آباد آئی تھی تو ان دنوں میرے بڑے لڑکے شمس الدین عارف کی شادی ہوئی۔ فاطمہ نے اپنے بچوں کے ساتھ شرکت کی تھی اور عارف کو اس کی دواہن کو ڈھیر ساری دواہنیں دے کر واپس ہوئی۔ فاطمہ جب بھی حیدر آباد آتی ہے تو میرے لیے کوئی نہ کوئی تحفہ ضرور لاتی ہے۔ فاطمہ ہنسنے ہوئے آتی ہے اور روتی ہوئی جاتی ہے میری زندگی کے بہت سے روشن لمحے فاطمہ کو روشن اور تاریک دیکھنے میں گذرتے رہے ہیں اس کی شادی کے موقع پر میں نے صرف ایک نظم تحفہ دی تھی شادی کے کچھ دن بعد جب میں اپنی اہلیہ کے ساتھ فاطمہ سے ملنے کے لیے اس کے کمرے میں گیا تو اس نے اپنے کمرے میں ہم دونوں کو بلوایا اور مجھے وہ قریم کی ہوئی تہنیتی نظم دکھائی جو اس کے سرانے کی دیوار پر آویزاں تھی۔ محبت چاہے کسی رنگ و روپ میں ہو وہ اپنا گہرا اثر چھوڑتی ہے سچ تو یہ ہے کہ محبت کی ایک شکل ایسی بھی ہے جو تمام انسانی رشتوں سے اعلیٰ و ارفع ہے فاطمہ نسرین کا شعری مجموعہ ”بہاروں کی منزل“ میری زیر نگرانی صرف تین ہفتوں کی کدوش سے شائع ہوا۔ بہاروں کی منزل کی رسم اجرا نے تقریباً ۱۹ اگست ۱۹۹۱ء کو ممتاز شاعرہ انجم فرسوز کی رہائش گاہ (انجمن قمریہ علی) میں حیدر آباد کی منتخب تعلیم یافتہ خواتین کی موجودگی میں ممتاز نقاد و ادیب محترمہ صالحہ الطاف مدبر خانوں دکن کے ہاتھوں انجام پائی۔ فاطمہ نسرین نے مخاطب کرتے ہوئے بہ بھی کہا تھا کہ — حیدر آباد میں مختصر قیام کے دوران میں بے حد مصروف رہی۔ بچوں کی اور میری صحت کی ناسازی کا سلسلہ چلتا رہا۔ باقی وقت ملا قانون اور دعوتوں کی نذر ہو گیا۔ کتاب

کی اشاعت پر توجہ اس وقت کی جبکہ امریکہ کو واپسی کا وقت قریب آ گیا
 میں نے فیئر بھائی (صلاح الدین فیئر) سے اس کا ذکر کیا۔ ان کے اعلیٰ کردار
 اور ان کے جذبہ ہمدردی سے میں بہت متاثر ہوں۔ ان کی مفقنا طبعی
 جیسی شخصیت نے میرے کاغذات کے ایک ایک پرزے کو سمیٹ
 کر بچا کیا اور بہت کم وقت میں بہت گہری دلچسپی اور محنت سے کلام
 کی تفصیل سے لے کر کتاب کی اشاعت تک سارے مراحل طے کیے۔ اس
 کرم فرمائی کہے لیے میرے پاس شکریہ ادا کرنے الفاظ نہیں ہیں۔ ہاں میری
 دعائیں ہیں جو ان کے سافقہ ہمیشہ رہیں گی میں انہیں ہمیشہ یاد رکھوں گی۔

ڈاکٹر صاحبہ سعید

(مہذب گھرانے کی صاحبِ طرز قلم کار)

۱۹۵۱ء میں کیمبرج، ماساچوسٹس کی پیرورڈہ ایک سنجیدہ، متین، خوش
 جمال اور خوش مزاج، سیدھی سادی لڑکی رخسانہ کو میں نے پہلی بار اس وقت
 دیکھا جب وہ یہ کہنے کے لیے گھر سے باہر آئی تھی کہ صالحہ باجی گھر پر نہیں ہیں
 اور یہ کہا ہے کہ آپ کو ڈرائیونگ روم میں بٹھا دوں۔ میں ڈرائیونگ روم
 میں بیٹھا انتظار کرتا رہا۔ اُس وقت رخسانہ اسکول کا ڈریس ڈگرین شرٹ
 اور سفید پاجاما زیب تن کیے ہوئے تنی عثمانیہ میزک اور علی گڑھ میزک کی
 تیار اس ایک سانچہ کر رہی تھی صالحہ آپ سے جو میرا رشتہ ہے اُس کی نو سب سے پہلے
 صلیبہ، رخسانہ اور عذرا بھی مجھے قہر چھائی کہا کرتی تھیں۔ صلیبہ ابتداء سے کم آمیز رہا
 البتہ رخسانہ اور عذرا مجھ سے ملتا رہے تھیں رخسانہ کا نرم بے حد پُراثر سے رخسانہ
 کے نرم کامیجہ پر گہرا اثر ہے میری بعض غزلیں اب بھی رخسانہ کے نرم میں ساتا
 ہوں عذرا ایک اچھی آرٹسٹ ہے میرے تمام شعری مجموعوں کے سرورق بنانے میں

تیار کیے ہیں اس نے جامعہ عثمانیہ سے سوشل لوجی میں ایم اے کیا ہے جدید لٹریچر کی مشاعرہ بھی ہے۔ میں اپنی بہنوں کی چھوٹی چھوٹی فرمائشوں اور خوشیوں کا خیال رکھتے ہوئے ان کے لیے اچھی اچھی کتابیں لے آتا۔ جب میں عثمانیہ یونیورسٹی سے بی۔ اے۔ ایل کے امتحان کی تیاری کر رہا تھا تو رخانہ مجھے انگلش کے نوٹس تیار کر کے دیا کرتی تھی۔ خاندان کی دوسری لڑکیوں کی طرح رخانہ کی بھی شادی ہو گئی اور وہ کسرال چلی گئی۔ بہن چاہے میکہ میں رہے یا سسرال میں بھائی بہن کا رشتہ کبھی ٹوٹنا نہیں اور مستحکم ہو جاتا ہے رخانہ کی شادی ۱۹۱۸ سال کی عمر میں ہوئی تھی۔ شادی کے بعد رخانہ نے جامعہ عثمانیہ سے اردو میں ایم اے کیا۔ ایم اے کرنے کے بعد رخانہ نے عثمانیہ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری لی۔ ڈاکٹریٹ کے بعد رخانہ نے اپنا علمی و ادبی کام جاری رکھا۔ آئی انڈیا ریویو، جو حیدرآباد سے اردو ادب کے مختلف موضوعات پر تقریریں نشر کرتی رہیں۔ دُور درشن سے مباحث میں حصہ لیا۔ روزنامہ سیاست کے علاوہ ملک کے ادبی رسائل میں خاکہ نگاری کے مختلف پہلوؤں اور دیگر ادبی موضوعات پر مضامین شائع ہوتے رہے۔ رخانہ تقریباً ۵ سال تک شعبہ اردو و پنجابی کالج جامعہ عثمانیہ سے وابستہ رہیں شہر کے بعض کاغذات میں پارٹ ٹائم لکچرر کی حیثیت سے درس دیتی رہیں اس وقت سلطان احمد کالج آف ایجوکیشن میں لکچرار کی حیثیت سے کام کرتی ہیں رخانہ شاعری بھی کرتی ہیں لیکن چھپوانا نہیں چاہتیں۔ رخانہ کی شخصیت میں وہ تمام اعلیٰ خصوصیات مشتمل ہیں جو ایک مہذب، شائستہ اور باوقار خاتون کا حصہ ہوتی ہیں۔ رخانہ

ڈاکٹر صاحبہ سعید خاں نگاری کے موضوع پر پی۔ ایچ۔ ڈی کے لیے مقالہ لکھا تھا ڈگری ملنے کے بعد یہ مقالہ کتابی شکل اختیار کر گیا۔ اردو میں خاکہ نگاری (۶۸، ۶۹) اس کتاب کی ادبی حلقوں نے دل کھول کر پذیرائی کی۔ ڈاکٹر صاحبہ سعید ان دنوں سلطان العلوم کالج (مفت جاہ کالج) میں اردو کی لکچرر ہیں کچھ برس ویمینس کالج (جامعہ عثمانیہ) میں پارٹ ٹائم لکچرر رہیں۔ میں رخصانہ سے ملنے کے لیے اب بھی کبھی کبھی اس کے گھر جایا کرتا ہوں۔ اس کا حال پوچھتا ہوں، اسی طرح جیسے ایک بھائی کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ (ماخذ سلسلہ بھولوں کا ۱۹۹۲ء)

انیس قیوم فیاض

(پاکیزہ رشتہ کا بہترین تحفہ - نامور افسانہ نگار)

خاتونِ دکن سے وابستگی کے بعد حیدر آباد کے بعض نئے کھتے والوں کی تحریریں رفتہ رفتہ مجھے متاثر کرنے لگیں جن میں طالبات بھی تھیں طالب علم بھی اور بعض اردو کے اساتذہ بھی۔ ان کے علاوہ معروف اہل قلم مرد و خواتین کی تخلیقات سے بھی میں متاثر ہوا۔ اس دوران مرد اہل قلم احوال کے ساتھ کچھ خاتون افسانہ نگاروں، ادیبوں اور شاعرات کے بھی ادبی خطوط کا سلسلہ جاری رہا۔ رشتوں کی پاکیزگی اور شائستہ روابط نے بھی احساس دلانا شروع کیا۔ خاتونِ دکن کے سلسلہ کا شائستہ اور پاکیزہ رشتوں کا ایک بہترین تحفہ انیس قیوم بھی ہے۔ مجھے اُن دنوں جتنی تحریروں سے سابقہ پڑا اُن میں سب سے زیادہ موثر صرف انیس قیوم کی تحریر تھی۔ انیس کے خطوط مونیوں میں ڈھل کر نکلنے لگے میری تمام بہنوں میں انیس پہلی بہن جس نے مجھے سب سے زیادہ خطوط لکھے ہیں اور ہر خط میں کبھی نہ ختم ہونے والی بھائی بہن کی محبت کی خوشبو

رہتی تھی۔ لیسیا میں سکونت کے زمانے میں بھی انہیں مجھے پابندی سے خطوط لکھا کرتی تھی جب وہ بی ایس سی کی طالبہ تھی تو ان کو اس کے زیادہ تر افسانے "بانو" اور "بیسویں صدی" میں شائع ہونے لگے تھے جب خانوں دکن، ادبی حلقوں میں مقبول ہونے لگا تو مجھے حیدرآباد کے بہت سے اہل قلم خواہ تین و حضرات کا تعاون حاصل ہونے لگا۔ انہیں نے بی ایس سی اور بی اے کے ساتھ ساتھ کامیاب کیا۔ تعلیمی امور میں وہ مجھ سے عثمانیہ سے ایم اے اور دو امتیاز کے ساتھ کامیاب کیا۔ تعلیمی امور میں وہ مجھ سے مشورہ کیا کرتی تھی۔ انہیں مجھے ہر سال پابندی سے راکھی باندھتی رہا اپنے شوہر کے ساتھ سات برس تک لیسیا میں رہنے کے بعد گزشتہ تین سال سے حیدرآباد میں ہے وہ جب بھی حیدرآباد آتی ہے۔ مجھ سے ملنے کے لیے اپنے شوہر کے ہمراہ دفتر سنا آجاتی پھر دونوں میرے گھر آ جاتیں۔ یہ اُن کا ایک طریقہ تھا میرے گھر کے لوگ انہیں کا بہت خیالی رکھتے ہیں انہیں نے میرے بڑے لڑکے شمس الدین عارف کی نشادہ کے انتظامات میں بڑے حیرت انگیز حصہ لیا تھا انہیں اس طرح میرے گھر آتی ہے جیسے ایک حقیقی بہن اپنے پورے حقوق اور اعزازات کے ساتھ اپنے بھائی کے ہاں آتی ہے انہیں ہے بھی اس قابل کہ اس کا خیال رکھا جائے زندگی کچھ اس قدر مضبوط ہو گئی ہے کہ اب انہیں سے ہینوی ملاقات نہیں ہوتی، لیکن فون پر خیر و عافیت کا سلسلہ جاری رہتا ہے جب انہیں اپنی شادی کے بعد پہلی دفعہ اپنے شوہر کے ساتھ میرے گھر آئی تو اُس نے اپنی خوب صورت سونے کی بالیاں میری چھوٹی لڑکی زینت سریز کو پہنا دی۔ زینت لڑکی چھوٹی اس پر غلامی تکفہ کو تمام تحفوں میں سب سے اہم تحفہ کہہ کر خوشی خوشی کرتی ہے۔ ایسی قدیم کہ افسانوں کا مجموعہ کی دیکھو ۱۹۸۸ء میں اور معاہدہ کا مجموعہ ۱۹۸۰ء میں شائع ہو چکا ہے (آفتاب سہیو دی برتھیاں ۱۹۹۲ء)

کویتا کرن

(اُردو کی مشہور شاعری۔ دستک، آئیٹھ بھائی)

کوئٹا کرن سے میری پہلی ملاقات شعر و نغمہ کما حول میں ممتاز گلوکار
وٹھل راؤ کے میوزیکل اسکول ”سنگیت سادھنا“ میں ہوئی۔ ایک شام
جب میں سیاست آفس میں اپنے ادنیٰ کام میں مصروف تھا تو میرے دوست
وٹھل راؤ مجھ سے ملنے کے لئے آئے اور مجھ سے خواہش کی کہ کچھ دیر کے لیے میں
ان کے ہمراہ سنگیت سادھنا اسکول چلوں جہاں مجھے ان کے ایک دوست
امبا جی راؤ ڈائریکشنل سپرنٹنڈنٹ پولیس کی شاعرہ بیٹی سے نہ صرف تعارف
کرایا ہے بلکہ اُس کو اپنے حلقہٴ تلامذہ میں شامل کرنا ہے۔۔۔ جب میں
وٹھل راؤ کے ساتھ سنگیت سادھنا پہنچا تو وہاں موجود لڑکیوں میں مجھے
جیدر آبادی نہند بیب سے آراستہ ایک لڑکی سب سے الگ دکھائی دی۔
مجھے دیکھ کر اُس نے اندازہ لگایا کہ میں کون ہوں۔ وٹھل راؤ کے تعارف
کرنے سے پہلے ہی اس نے مجھے جیدر آبادی انداز میں سلام کیا۔ اس تعارف

کے بعد میں نے کوئٹا کرن سے کچھ اشتعالہ سنے اور یہ محسوس کیا کہ اگر مناسب انداز میں اس نئی شاعرہ کی شعری تربیت کی جائے تو ایک دن یہ ہو نہا شاعرہ اردو شعور ادب میں اپنا مقام بنا سکے گی۔ کوئٹا کرن اس وقت اردو رسم الخط سے کچھ زیادہ واقف نہیں تھی۔ اس لیے وہ (دیوناگری) ہندی رسم الخط میں اردو غزلیں لکھتی تھی میں نے کوئٹا سے پوچھا کہ تم اردو زبان سے اچھی طرح واقف ہو تو پھر اردو رسم الخط میں غزلیں کیوں نہیں لکھتیں۔ کوئٹا نے جواب دیا، مجھے اردو رسم الخط میں لکھنے میں تکلف محسوس ہوتا ہے۔ (اب کوئٹا اردو رسم الخط میں لکھی ہوئی کتابیں روانی کے ساتھ پڑھنے لگی ہے) کوئٹا نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعہ غزلیں سننے کے علاوہ اس ریڈیو اور ریڈیو کیسٹ سے غزلیں سن کر مجھے اردو شاعری سے دلچسپی ہونے لگی اور میں نے اپنے منتشر خیالات کو شاعری کے روپ میں ڈھالنا شروع کیا۔ میں نے کوئٹا کو محفل خوانین کے بارے میں بتایا اور شریک محمد محفل خوانین منظر السار ناد سے کہا کہ اس نئی شاعرہ کی محفل خوانین میں خاطر خواہ پذیرائی ہونی چاہیے۔ وہ محفل خوانین کے جلسوں میں شریک ہونے لگی۔ جب میں پہلی دفعہ کوئٹا کرن کے گھر پہنچا تو وہ مقررہ وقت پر میرا انتظار کر رہی تھی۔ جیسے ہی میں نے اسکو ٹرامانڈ کی وہ دروازہ کے قریب آکر ٹھہر گئی میں نے تنگدلی تو اس نے فوری کہا۔ آئیے بھائی۔ میں نے جب اس کا ڈرائنگ روم دیکھا تو مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ اس کا ڈرائنگ روم صاف ستھرا ہر چیز اپنی جگہ سلیقہ سے رکھی ہوئی تھی ڈرائنگ روم

میں نہ تو ہندو کچور کی چھاپ تھی نہ مسلم تہذیب کا رنگ۔ کویتا کی پوشاک، اس کی گفتگو، اس کے رہن سہن، اس کی نشست و برخاست، جیسا آبادیوں جیسی ہے ملنے جلنے سے پتہ چلتا تھا کہ وہ خالص حیدرآبادی تہذیب کی پروردہ ہے۔ دوران گفتگو جب کویتا نے بھائی کہہ کر مخاطب کرتی تو مجھے بہت اچھا لگتا تھا۔ میں نے کویتا سے کہا تم پہلے میری بہن ہو، بعد میں میری شاگرد ایسا کہنے پر وہ بہت خوش ہوئی۔ ایک دن وہ اپنے شوہر، بچوں اور اپنی بہن میتا کے ساتھ میرے گھر بازار روپ محل (سید علی چیمو ترہ) آئی۔ (دیہر سے شام تک) ہم نے بیچ بک کر کیا۔ میری اہلیہ اور میری لڑکی زینت سرین نے ان مہمانوں کی تواضع کی۔ کویتا کے والد امبا جی راؤ صاحب نے اپنی بیٹی کی حوصلہ افزائی میں کوئی کسر اٹھا ہتھ رکھی۔ وہ کویتا کی ہر خوشی کا خیال رکھتے ہیں امبا جی راؤ ایک خالص حیدرآبادی مزاج کے انسان ہیں وہ نہ صرف اردو زبان سے ہی دلچسپی رکھتے ہیں بلکہ وہ اچھی طرح اردو لکھنا پڑھنا جانتے ہیں وہ اپنی بیٹی کو شہر کے خاص خاص مشاعروں میں خود لے آتے ہیں۔ کویتا کو مشاعروں میں داد ملتی ہے تو خوش ہوتے ہیں کویتا نے شکر جی میموریل کل ہند مشاعرہ کے علاوہ کئی بار ریڈیو سے اپنا کلام سنا یا ہے دور درشن کے پروگرام انجمن کے علاوہ نیچنل پیروگرام (نٹ ورک) مشاعرہ میں بھی کلام سنا چکی ہیں یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے تھیں شاعرستان ہیں۔ پڑھنے کا انداز مناسبت رکھتا ہے۔ امبا جی راؤ ایک دن اپنی بیٹی کے ہمراہ میرے گھر آئے اور مجھ سے خواہش کی کہ کویتا کا مجموعہ کلام حیدرآباد شائع ہو تو مجھے خوشی ہوگی۔

(ماخذ "سلسلہ پھولوں کا ۱۹۹۲ء")

موسق ناطم

(نامور فرزندِ جامعہ عثمانیہ - ممتاز طنز و مزاح نگار)

نامور فرزندانِ جامعہ عثمانیہ کی فہرست مرتب کرنے والوں کے لیے یقیناً وہ مرحلہ آزمائش کا ہو گا جب انہیں مختلف زمروں میں تقسیم کیے جانے کا مسئلہ درپیش ہو اس لیے مختلف شعبہ جات سے تعلق رکھنے والے بعض ایسے لوگ بھی ملیں گے جو اپنے شعبہ میں دوسروں کے مقابلے میں زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ قابلیت اور شہرت کے اعتبار سے درجہ بندی ضروری تو ہے لیکن اُس وقت لغزش کا اسکان رہتا ہے جب کسی خاص شخص کی صلاحیتوں کا صحیح تجزیہ نہ کیا جائے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ تجزیہ نگار نہایت احتیاط سے قلم فرسائی کیا کرتے ہیں۔ دانشوروں کی تخصیص اور زمرہ بندی بھی امتحانِ مرحلوں سے گزرائی رہتی ہے یہ فیصلہ مشکل ہو جاتا ہے کہ کس کا مرتبہ بلند ہے اور کس کا مرتبہ بلند نہ۔ تجزیہ نگار اگر شخصیتوں کے صحیح خدو خال

کا ادرک لے کھتا ہو۔ شخصیتوں کی لیاقت و قابلیت کا صحیح اندازہ کر سکتا ہو تو اس سے توقع کیا جاسکتی ہے کہ اس کا جائزہ نشیمنی بخش ہوگا۔ وہ شعبہ ہائے حیات جو زیادہ زیر بحث رہتے ہیں اور وہ جو زیادہ پیش نظر رہتے ہیں ان میں ماہر تعلیم، ڈاکٹر، انجینئر، قلم کار، صحافی، سائنسٹ وغیرہ شامل ہیں لیکن ان شعبوں میں بھی کئی اعلیٰ درجہ کی شخصیتیں موجود ہیں جو ایک دوسرے کے ہم پلہ ہیں اس کے باوجود کچھ یا کمال شخصیتیں ایسی بھی ہیں جو اپنے مخصوص شعبہ میں اپنے دیگر تمام عرصوں و ہم عصر قد آوروں میں امتیازی حیثیت رکھتی ہیں۔ مناسب تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر قابل قدر شخصیت کی صلاحیتوں کا جائزہ بغیر کسی مقابلے، حوالے اور موازنے کے کیا جائے اگر یا ہو تو زمرہ بندی کے تعین سے تجزیہ نگاری جاتا ہے اس مخصوص شعبہ سے دلچسپی رکھنے والے یا شعور خود تصفیہ کرتے ہیں کہ کون کون شخص کس مرتبہ کا ہے حامل ہے۔ ممتاز عثمانی، نامور طنز و مزاح نگار یوسف ناظم کی ادبیانہ حیثیت کو تسلیم کرنے والے لوگ انہیں ان کی شخصیت اور ان کے فن کی روشنی میں ہی دیکھیں تو وہ کھل کر اپنے قلم کو روانی عطا کر سکیں گے۔ یوسف ناظم ایک ایسے طنز و مزاح نگار ہیں جنہیں کسی ایک مقام کی حد تک محدود نہیں رکھا جاسکتا۔ جو قلم کار عالمی شہرت یافتہ ہوتے ہیں وہ ساری علمی و ادبی دنیا کے ہو کر رہ جاتے ہیں۔ یوسف ناظم سوید آباد لوگوں کے پیر و درہ ہیں اور ہندوستان کے صف اول کے قلم کار ہیں لیکن اس طرح کے عظیم قلم کاروں کو ہم کسی ایک خطہ ارض تک محدود نہیں کر سکتے۔ ہم جدید ادیبوں

کے لیے یہ بات باعث افتخار ہے کہ یوسف ناظم دورِ حاضر کے صفِ اول کے ادیب ہیں ویسے تو وہ ساری اردو دنیا میں مشہور ہیں لیکن ہندوستان پاکستان کے ادبی حلقوں میں ان کا نام پہلی اور دینی نہرت میں شامل ہے۔ یوسف ناظم کا وطن جالندہ ہے یہ پہلے ضلع اورنگ آباد کا تعلق تھا یہ خود ضلع ہے اورنگ آباد پہلے ریاست حیدرآباد کا حصہ تھا جو لسانی بنیاد پر ریاستوں کی تقسیم کے موقع پر مہاراشٹر میں مل گیا۔ میٹرک تک جالندہ میں تعلیم پائی۔ اورنگ آباد انٹر میڈیٹ کالج سے انٹر میڈیٹ کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۴۲ء میں جامعہ عثمانیہ سے بی اے اور ۱۹۴۴ء میں ایم اے کیا اسی سال انہیں لبریریاریٹمنٹ میں منترجم کی حیثیت سے ملازمت مل گئی۔ ۱۹۴۶ء میں اسی شادی ہوئی مزاح نگاری کا سلسلہ ۱۹۴۴ء ہی سے شروع ہوا۔ روزنامہ "میزان" اور "پیام" میں ان کے مضامین چھپتے رہے پھر کس کے بعد رسائل میں چھپتے رہے۔ پہلی کتاب "کیف و کم" ادارہ ادبیاتِ اردو نے ۱۹۶۲ء میں شائع کی۔ اس کے علاوہ تاحل فٹ نوٹ۔ دیوارِ رُسنے زیرِ غور، سائے ہمسائے، فقط، البتہ، ذکرِ خیر، بالکلیات، شائع ہو چکی ہیں تین کتابیں بچوں کے لیے بھی ہیں جن کے نام یہ ہیں "بیک نہ مارو" "الف سے بے تک" اندرا گاندھی جنوبی افریقہ میں "کئی کتابوں پر ملک کی کئی اردو اکبر و بیکروں نے ایوارڈز سے نوازا۔ غالب ایوارڈ بھی ملا۔ ایک کتاب "مرغی کی ہم ٹانگیں" مکتبہ جامعہ دہلی سے چھپ رہا ہے (یہ کتاب بچوں کے لیے ہے) کتاب نما کے وجد نمبر اور شگوفے کے ہندوستانی مزاح نمبر کے ہمان مدیر رہ چکے ہیں۔ حال ہی میں سنسکرت کے شاعر بھرنری کی چند نظموں

کا منظوم ترجمہ کیا۔ کچھ دنوں تک "بلٹزر" کا کالم "باتیں ہماریاں" لکھا۔ انقلاب (ممبئی) کا ہفتہ وار کالم "انوارِ یہ" لکھتے رہے ہیں۔ ممبئی میں جین ناظم کا اہتمام کیا گیا تھا۔ حال ہی میں "علیک سلیک" (خاکوں کا مجموعہ) شائع ہوا ہے۔ دسمبر ۱۹۷۶ء میں سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہوئے۔ یوسف ناظم جامعہ عثمانیہ کے اُن اولین فرزندوں میں سے ہیں جن کا اشتہار قلم پوری توانائی کے ساتھ رواں دواں ہے۔ جامعہ عثمانیہ کے علمی و ادبی ماحول نے انہیں بہت کچھ دیا۔ ان کی صلاحیتوں کو اُنہی نے کاموقع فراہم کیا۔ ہندوستان کے بہ قید حیات طنز و مزاح نگاروں میں یوسف ناظم کا نام بھی سر فہرست ہے۔ جامعہ عثمانیہ کے اُن کے ساتھیوں میں بڑوں تو ان کے بے شمار مداح ہیں لیکن جن لوگوں سے وہ قریب رہے ان میں اشفاق حسین، امیر حسن، ظفر احسن، عابد علی خان، محبوب حسین جگر، ہاشم علی اختر، رشید قریشی، امیر احمد خسرو و غیرہ قابل ذکر ہیں اور یہ تمام لوگ اپنے اپنے میدان میں اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ یوسف ناظم کا حیدر آباد میں حکمہ اعداد و شمار سے تعلق تھا لیکن لسانی بنیاد پر ریاستوں کی تقسیم کے موقع پر انہیں ترک حیدر آباد کرنا پڑا۔ ممبئی میں سرکاری عہدہ دار رہے ممبئی کے ادبی حلقوں نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ممبئی کے صفِ ادب کے قلم کاروں میں ان کی پذیرائی ہوئے لگی آج وہ ممبئی کے سینئر ترین طنز و مزاح نگار ہیں۔ وہ زود نویس مصنف ہیں یوسف ناظم کی سنجیدہ غزلیں ادبِ حالیہ میں شمار ہوتی ہیں پاکستان کے ادبی حلقوں میں بھی یوسف ناظم کا نقد و منزلت ہے ملک کے ادبی رسالوں میں اُن کے مضامین نمایاں طور پر

شائع ہوتے رہتے ہیں سیاست اخبار سے ان کے قلم کا قدیم رشتہ ہے
 بیسیوں مضامین انہوں نے سیاست کے لیے لکھے۔ آج بھی ان کے
 مضامین نہ صرف سیاست میں بلکہ کبھی کبھی ”منصف“ میں پڑھنے کو ملتے
 ہیں حیدرآباد کے ادبی رسالوں میں سب اس ”شکوہ اور خوشبو کا سفر
 میں“ ہی ان کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ یوسف ناظم ممبئی کے شہری
 ضرور ہیں لیکن وہ حیدرآباد کی اعلیٰ تعلیم اور حیدرآباد کی محبت سے دیرینہ
 تعلق رکھتے ہیں حیدرآباد کو ان کا آماجنا رہنا ہے زندہ دلان حیدرآباد
 کی سالانہ تقاریب میں وہ لازماً مدعو رہتے ہیں ان کے مضامین سے
 باذوق سامعین لطف اندوز ہونے میں یوسف ناظم ایک طنز و مزاح
 نگار ہیں جو مزاح کے ساتھ ساتھ طنز کے بھی تیر چلاتے ہیں ان کے طنز و مزاح
 میں پُر وقار سنجیدگی کے بعض پہلو نمایاں رہتے ہیں۔ قلم کی آبرو
 کو انہوں نے ہمیشہ وقار بخشا۔ معاشرہ کی بنی بگڑتی صورت حال کو اپنے
 قلم کی سحر کاری سے اجاگر کیا۔ یوسف ناظم زندہ دلان حیدرآباد کے سالانہ
 جلسوں میں یہ پابند معاشرت کرتے ہیں زندہ دلان کی پہلی کانفرنس سے
 ہی زندہ دلان حیدرآباد سے وابستہ ہیں۔ زندہ دلان حیدرآباد کی پہلی
 کانفرنس جو ۱۹۶۶ء میں منعقد ہوئی تھی جس میں ملک بھر کے جدید و
 قدیم نامور مزاح نگاروں نے حصہ لیا تھا۔ خواجہ عبدالغفور آئی اے ایس
 مشہور مزاح نگار بھی جو جمعی میں ایک اعلیٰ عہدہ پر فائز تھے زندہ
 دلان حیدرآباد کے سالانہ جلسوں میں شریک رہا کرتے تھے ان کا تعلق

بھی حیدر آباد سے ہے حیدر آباد میں شکوفہ کے مدیر ڈاکٹر مصطفیٰ کمال
 جناب حمایت اللہ سے بھی ان کے گھر سے مراسم ہیں جب وہ حیدر آباد آتے
 ہیں تو زیادہ اپنا وقت ان دونوں حضرات کے ساتھ گزارتے ہیں ویسے
 بھی زندہ دلاں حیدر آباد سے ان کا قدیم رشتہ ہے رشید قریشی، اختر حسن
 سے بھی ان کی رسم و راء تھی بھارت جیند کھنہ اور نرسید روٹوھر کی زندہ دلاں
 سے وابستگی کو زندہ دلاں حیدر آباد کے لیے فال نیک سمجھتے تھے یوسف
 ناظم انتہائی معقول و مقبول ادیب ہیں خاص طور پر حیدر آباد اور ممبئی کے
 ادبی حلقوں میں ان کی بڑی پاسداری کی جاتی ہے ان کی برسوں کی خدمات
 کو کھلے دل و دماغ سے خراج پیش کیا جاتا ہے یوسف ناظم صاحب کی وہ
 تحریریں جو سماج کی بگڑتی ہوئی تصویر کشی کرتی ہیں کافی شہرت رکھتی ہیں
 یوسف ناظم صاحب ترقی پسند ادیب ہیں ممبئی کے تمام ترقی پسند شاعروں،
 ادیبوں سے ان کے بہت اچھے مراسم ہیں یوسف ناظم صاحب زائد از
 نصف صدی سے لکھ رہے ہیں ان کے ہتھ میں شائع ہونے لگے ہیں کئی ایوارڈز
 پانچکے ہیں کئی ادبی انجمنوں اور علمی و ادبی اداروں سے وابستہ ہیں ملک کی
 تقریباً تمام ریاستوں میں ہونے والی طنز و مزاح کی تقاریب میں شرکت
 کر چکے ہیں عمر کی طویل مسافت طے کرنے کے بعد بھی ان کا قلم چل رہا ہے ہر
 مکتب خیال کے قلم کاروں سے ان کے روابط ہیں یوسف ناظم صاحب
 جہاں اعلیٰ درجہ کے طنز و مزاح لکھا رہیں وہیں وہ اچھے شاعر بھی ہیں
 لیکن ان کی شاعری طنزیہ و مزاحیہ ادب سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔

سجیدہ شعر کہتے ہیں۔ مشاعروں میں بہت شریک ہوتے ہیں ادبی رسالوں میں ان کا کلام پڑھنے کو مل جاتا ہے حیدر آباد میں ان کے بہت سے رشتہ دار اب بھی موجود ہیں زندہ دلاں حیدر آباد کی سالانہ تقاریب میں شرکت کرنے کے علاوہ حیدر آباد کی مختلف تہذیبی تقاریب میں بھی شریک رہتے ہیں۔ سال میں ۲، ۳ دفعہ حیدر آباد ضرور آتے ہیں جب کبھی وہ حیدر آباد آتے ہیں تو اپنے دیرینہ دوستوں اور جامعہ عثمانیہ کے ساتھی عابد علی خان اور محبوب حسین جگر سے ملاقات کے لیے سیاست آفس آ جاتے ہیں۔ میں بھی ان سے تیار حاصل کر لیتا ہوں یوسف ناظم صاحب نہایت فراخ دلی کے ساتھ جو نیر قلم کاروں (شاعروں، ادیبوں) کی جوہر افزائی کرتے ہیں یوسف ناظم صاحب ممبئی میں میرے ماموں زاد بہنوئی کے ہم سایہ ہیں ایک ہی بلڈ ٹنگ میں رہتے ہیں میرے بہنوئی واحد خان بھی ریاستی تقسیم کے وقت حیدر آباد سے مہاراشٹر اچھل گئے۔ یوسف ناظم صاحب کی طرح وہ بھی لسانی تقسیم کی زد میں آ گئے۔ یوسف ناظم صاحب سے امیری خط و کتابت یہ زیادہ تر خط و کتابت کا ذریعہ خوشبو کا سفر ہوتا ہے خوشبو کا سفر کے لیے اپنے مضامین عنایت کرتے ہیں جو اہتمام کے ساتھ خوشبو کا سفر میں جگہ پاتے ہیں ہم حیدر آبادیوں کے لیے یہ بات قابل فخر ہے کہ یوسف ناظم صاحب ساری اردو دنیا میں ایک نامور ادیب کی حیثیت سے تسلیم کیے جا چکے ہیں کئی سرکاری و غیر سرکاری ایوارڈز حاصل کرنے کے علاوہ اردو زبان و ادب سے تعلق رکھنے

والی بعض انجمنوں سے بھی وابستہ ہیں۔ ہم حیدر آبادیوں نے ایسے نامور
 قلم کاروں کو جو ملک و بیرون ملک میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا چکے
 ہیں اپنے شہر کے قلم کاروں میں شمار کیا ہے اس لیے کہ بنیادی طور
 پر ان کا ادبی سفر حیدر آباد سے شروع ہوا یہاں کے ادبی ماحول نے ان
 کی صلاحیتوں کو ابھارا۔ ادبی تحفوں کی سرگرمیوں نے انہیں خامہ فرسائی
 کے مواقع فراہم کیے۔ ساری دنیا میں جہاں جہاں بھی حیدر آبادی سکونت
 پذیر ہیں انہوں نے اپنی سرزمین حیدر آباد کو، اپنے ملک ہندوستان کو
 انہیں بقولا۔ ان کی جسم و جاں میں اپنے ملک کی خوشبو، لہی ہوئی ہے
 انہوں نے اپنے وطن سے رشتہ برقرار رکھتے ہوئے ترقی کے زینہ طے کیے ہیں اور
 بہت سے حیدر آبادی اپنے اپنے میدانوں میں اپنے کارہائے نمایاں کی وجہ سے
 شہرت رکھتے ہیں۔ یوسف ناطم، کبیر علیہ، سندیدہ شاعر و ادیب ہیں
 یوسف ناطم جیسے مایہ ناز قلم کاروں کی ہر دور میں قدر کی جاتی ہے گی وہ
 نہایت محنت پسند، فاضل انسان ہیں جو فرزندِ مادرِ جامعہ عثمانیہ کے حوالے
 سے یاد کیئے جاتے رہیں گے جامعہ عثمانیہ کے نامور شاعروں مخدوم فی الدین
 اور سکندر علی وجہ سے ان کے گہرے مراسم تھے میکش حیدر آبادی، ماہر نقاد
 شاہد صدیقی، سلیمان اربیب، پیر بڈا بونی کے علاوہ حیدر آباد کے اور شعرا
 خورشید احمد جاتی، سید شہیدی، ڈاکٹر علی احمد جلیلی کی شاعرانہ عظمت کو تسلیم
 کرتے ہیں۔ ان کے بعد کے سنجیدہ شاعروں میں راقم الحروف، ناصر کمر ٹولی اور
 دیگر شعرا کو سندیدہ نظر سے دیکھتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ یوسف ناطم نے حیدر آباد کی
 تہذیبی انداز کو ہمارا اثرات تک سونپ دی ہے جس کی وجہ سے وہ دماں کے مہذب معاشرہ
 دل میں بھی اپنے ہیں۔

ابوالفیض سحر

(خود شناس دیدہ و با وقار دانشور ممتاز عثمانی)

اگر کسی شخص کو اپنی شناخت کا وجدان حاصل ہے اور وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ رب العزت کی خاص عطا بنور کے ساتھ ساتھ اس کو زندگی میں کسی اعلیٰ منصب پر فائز رہنا ہے تو وہ ابتدا ہی سے ترقی کی ہمت نہ لے لیں طے کرتا رہتا ہے۔ اپنی زندگی کے طویل سفر میں اس کو مختلف قسم کے حادثات سے گزرنا پڑتا ہے۔ آسانوں کے ساتھ ساتھ مشکلوں سے بھی آگے بڑھنا پڑتا ہے۔ کچھ لوگ ایک ہی جگہ بیٹھے رہنے کو مست کامیاب کہتے بلکہ طویل سفر کے خیال سے وہ اپنے قدم روک لیتے ہیں اپنے مقصد تک پہنچنے کو چاہتے نا خواہش شخص بھی حالات سے گھبراتا نہیں وہ پوری توانائی کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے۔ رواں دواں شخص بلا قید موسم اپنی زندگی کے سفر کو جاری رکھتا ہے لاکھ مشکلیں آتی ہیں طوفان ابھرتے رہیں لیکن اُس کا سفر رکتا ہی نہیں۔ جاری رہتا ہے۔ بس تو ایسے ہی لوگوں کو

دیکھا ہے جو اپنی ذاتی صلاحیتوں کے بل بوتے پر ترقی کرتے چلے گئے شمشکس حالات
 اچھے ہوئے ماحول، اساعدمو کم کو نظر انداز کرنے ہوئے، قسمت آزمائی
 کرنے والوں میں حیدر آباد کی ایک اہم شخصیت ابو الفیض سحر کی بھی
 ہے جو ۳۰ برس سے دہلی میں ہیں۔ اپنی ذاتی محنت اور خداداد صلاحیتوں
 سے پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے اعلیٰ مرتبہ تک پہنچ گئے ہیں۔ معاشرہ
 میں خاص طور پر شعروادب کی دنیا میں اپنا مقام بنا ناہراہل قلم کے
 بس کی بات نہیں ہے وہی شاعر و ادیب اپنا مقام بنا لیتا ہے جو اپنی
 صلاحیتوں کا لوہا منوانا چاہتا ہے اس طرح کا صلاحیت رکھنے والی،
 باجولہ شخصیت ابو الفیض سحر کی بھی ہے۔ ابو الفیض سحر جامو عثمانیہ
 کے قابل طلباء میں سے ایک ہیں۔ انہوں نے پروفیسر عبدالقادر
 سردری صدر شعبہ اردو کے زمانے میں ایم اے اردو میں امتیازی
 حیثیت سے کامیابی حاصل کی۔ کالجس کی سرگرمیوں میں بھی حصہ لینا
 شروع کیا۔ تقریری اور بیت بازی مقابلوں میں حصہ لیا۔ جامو
 عثمانیہ اور اس سے ملحقہ تمام کالجس کی علمی و ادبی سرگرمیوں میں
 حصہ لیتے رہے۔ ایم اے کرنے کے بعد پیشہ درس و تدریس سے
 وابستہ ہو گئے۔ لیکن زیادہ عرصہ تک اس پیشہ سے جڑے ہوئے
 نہیں رہے۔ کچھ ایسے حالات رہے کہ وہ دہلی چلے گئے وہاں کے
 ماحول میں اپنے آپ کو ڈھال لیا لیکن اپنی انفرادیت باقی رکھی۔
 حالات کا مقابلہ کرتے رہے۔ دہلی میں وہ ترقی اردو

بورڈ سے وابستہ ہو گئے۔ اور ترقی کرتے کرتے سربراہ بن گئے۔ ترقی
 اردو بورڈ بن گئے۔ وزارت داخلہ حکومت ہند کے شیر بھی رہے۔ ملازمت
 کے دوران بے شمار کتابوں کی صورت گری، ترتیب و ترمیم کے سلسلے
 میں ترقی اردو بورڈ میں کلیدی رول ادا کیا۔ ایک اعلیٰ درجہ کے کارکن
 حیثیت سے اپنی پہچان بنانا۔ دل اور ملک کے بہت سے علمی و ادبی
 اداروں اور انجمنوں کے زیر اہتمام منعقدہ ادبی اخبار میں حصہ لیتے
 رہے۔ قزبریں کیں۔ مقالے لکھے اور کئی کتابیں شائع کیں۔
 بھی پئے اور مولف بھی رہے۔ کچھ کتابوں کے نام یہ ہیں تیسرے نظر
 خسرو شناسی، دو چرخہ محفل، خلا میں پہلا ہندوستان، تناظر و
 تجزیے، فن اور فنی مباحث اور شفق (شعری مجموعہ)۔

ابوالفیض سحر ایک بہترین شاعر بھی ہیں ادبی رسالوں میں ان کا کلام بھی
 شائع ہوتا رہا ہے باذوق لوگ جو اس عالم کے خاص طور پر مہار
 کے مہمنی رہا کرتے ہیں۔ ابوالفیض سحر کی کچھ اول کتابوں کی اشاعت کے
 منتظر ہیں۔ ابوالفیض سحر کو بیس زائد از۔ ۴۰ برس سے جانتا ہوں۔ ہماری
 دوستی کا عمر بھی لگ بھگ۔ ۴۰، ۴۵ برس کے ہے ابوالفیض سحر ظہیر آباد میں
 قائم کردہ ادبی انجمن بزم سخن کے روح رواں تھے یہ انجمن ایم بانگاریڈی
 سابق ایم کیو پی کی زیر سرپرستی عبد الکریم جالی اور ابوالفیض سحر کی شخصی دہی
 سے قائم کیا گیا تھا جس کے بہت سے شعروں میں، بیس نے بھی شرکت کی
 کے زیر رہا ہیں امور شاعری اور ادبی فن کے شاعروں کے ہمیشہ اپنا تعاون

دیا۔ ابوالفیض سحر ایم باگاہی سابق ایم بی کے خصوصی دوست تھے۔ جن
 کے والد نے یہ فیہ الوداع لکھ ہوئے مسائل کے سلسلے میں کام لیا بلکہ
 طبعی ادب اور تعلیم اور مشاعروں کے لئے ایک خوشگوار ماحول پیدا
 کیا۔ ابوالفیض سحر، پروفیسر عبدالقادر سردری، صدر شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ
 سے فارغ التحصیل رہے ہیں۔ پروفیسر عبدالقادر اپنے دولت خانے پر
 ہر ایک مشاعرہ کا اتمام کیا کرتے تھے جس میں ان دور کے نامور شاعروں
 کے علاوہ نوجوان باصلاحیت شاعروں کی بھی پذیرائی کی جاتی تھی
 ابوالفیض سحر ان محفلوں میں اپنا کلام سناتے تھے بلکہ محفل کو آراستہ
 کرنے میں پروفیسر سردری صاحب یا تھ بٹاتے تھے اس زمانے میں
 ابوالفیض سحر فضاء کے نام سے ایک ماہنامہ شائع کرتے تھے جن میں
 زیادہ تر جامعہ عثمانیہ سے تعلق رکھنے والے اہل قلم اساتذہ طلباء و
 طالبات کی تخلیقات شائع ہوا کرتی تھیں۔ میٹرک کامیاب کرنے
 کے بعد انہوں نے چادر گھاٹ کالج میں داخلہ لیا جہاں انہیں انگریزی
 الدین قادری اور اور خواجہ حمید الدین شاہد جیسے اساتذہ سے استفادہ ہونے
 کا موقع ملا۔ انٹر میڈیٹ میں ریڈیو تعلیم ہونے کے دوران وہ کالج کی ٹائم
 انریضا بلیر گرمیوں میں برابر حصہ لیتے رہے۔ ہاشم حسن سعیدان کے
 کالج کے ساتھیوں میں سے ہیں۔ ابوالفیض سحر پہلے شاعر تخلص کرتے
 تھے بعد میں انہوں نے سحر تخلص اختیار کر لیا۔ ابوالفیض سحر کے دلی جاننے
 کے بعد ان کا تعلق جدید آباد کی ادبی سرگرمیوں سے کم ہونے لگا۔ لیکن

علی و ادبی کام کرنے کی تربیت جن اساتذہ سے حاصل کی تھی وہ دلی میں ان
 کے ہیبت کام آئی۔ آج خدا کے فضل سے ملک کے صف اول کے قلم کاروں
 ہیں ان کا شمار ہوتا ہے ابوالغنی سحر نے میرزا ملک میں قائم
 ادبی انجمنوں کو اپنے بعض بہترین مضامین اور پیرا اثر تقریروں سے
 نوازا ہے اس طرح کا سلسلہ آج بھی جاری ہے دلی کی ادبی سرگرمیوں سے
 اپنی پوری شناخت کے ساتھ وابستہ ہیں۔ علمی و ادبی کاموں میں بڑھ
 چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ دلی کے بڑے بڑے علمی و ادبی اداروں سے
 وابستہ ہیں۔ محسن اردو علی صدیقی کی قائم کردہ عالمی اردو کانفرنس کے
 اہم عہدہ پر فائز ہیں۔ دلی میں مستقل قیام ہے۔ ان کے گھر کا ماحول
 مشرقی طرز حیات کا آئینہ دار ہے ان کے بچے تمام کے تمام اعلیٰ تعلیم یافتہ
 ہیں۔ سب علمے سب اردو زبان اور تہذیب سے آشنا ہیں۔ ابوالغنی سحر
 کی زندگی قابل رشک ہے سحر صاحب نے اپنی ذاتی صلاحیتوں کو پوری
 طرح بروئے کار لایا۔ ان کا قدم آج بھی چل رہا ہے فکر و خیال کی خوشبو سے
 سارے ادبی ماحول کو معطر کر رہے ہیں۔ ابوالغنی سحر میرے بہت ہی
 اچھے دوست ہیں میری طرح حیدر آباد کے شاگرد ہیں انہیں رئیس اختر کو بھی
 بہت قریب سے محسوس کرنے میں جب بھی حیدر آباد آتے ہیں تو ان سے
 ملاقات ہو ہی جاتی ہے فون پر گفتگو کے علاوہ ادبی محفلوں میں بھی اپنے
 لب و لہجے کی مٹھاس سے ساری محفل کو سحر کر دیتے ہیں۔ ترقی اردو بورڈ
 کے اہم عہدہ دار کی حیثیت سے انہوں نے گجرات کی ٹی کے لیے بہت کچھ کیا۔

ایسے قیمتی مشوروں سے آواز نہ دے۔ یہ لکھنا اس کے اکثر سربراہوں کی
 تقریریں ابو الغیض شکر کی مرہونِ منت رہی ہیں۔ یہ کاخِ خیر آج بھی جاری
 ہے اردو کے تمام ادبی حلقوں میں قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں
 اردو ادب کا کوئی بھی موضوع کیوں نہ ہو اسے بہترین خیالات سے
 بات میں اضافہ کرتے ہیں۔ ابو الغیض شکر کی ساری زندگی مسلسل
 کا اعلیٰ نمونہ ہے جب بھی حیدر آباد آتے ہیں اور ان دنوں کوئی ادبی
 پیام مجھ سے متعلق ادبی اجتماعوں کا ہونے والا ہوتا ہے شکر کو زمانہ عرصہ
 کرتا ہوں۔ شکر صاحب نے ادبی مضامین انڈیا کے اہم ادبی رسالوں
 میں شائع ہوتے رہتے ہیں کبھی کبھی ادبی رسالے میں ان کا کلمہ بھی
 پڑھنے کو ملتا ہے "غوشیہ کا سفر" میں ان کے مضامین کے علاوہ ان
 کی شاعری بھی شائع ہوتی رہتی ہے شکر صاحب کا انڈیائی رشتہ
 کل کیسی اقدار کا آئینہ دار ہے وہ ایک مہتمم اور صاحبِ علم ہیں۔
 اردو کے قدیم ورثے کے تحفظ کے لیے نئی تحریروں کے ذریعہ متوجہ
 کرتے رہتے ہیں۔ ان کا طرزِ تحریر پاک صاف ہوتا ہے ان کا اعلیٰ اندازِ تحریر
 ذہن کے کئی گوشوں کو منور کر دیتا ہے اندازِ خطاب بھی ماری محفل سے داد و تحسین
 حاصل کرتا رہتا ہے شعر و ادب کے معاملات میں ان کے فکر و خیال کی روشنی فیضِ رسا
 ثابت ہوتا ہے میں اپنے ایسے دوستوں پر ہمیشہ فخر محسوس کرتا رہا ہوں گا جنہوں نے
 اپنی خداداد صلاحیتوں سے بھرپور استفادہ کرتے ہوئے سوشلسٹ پس اپنا ایک
 اعلیٰ مقام بنالیا ہے شکر میرے ایسے ہی دوست ہیں شامل ہے جن پر مجھے فخر حاصل ہے

سعید بن حسن باغزال

(بزم عثمانیہ جدہ کے سرپرست۔ جدہ میں حمید آبادیوں کے لیے سائبان)

نامور فرزندان جامعہ عثمانیہ کی ایک طویل فہرست ہے قیام
جامعہ عثمانیہ کے بعد سے آج تک لاتعداد فرزندان جامعہ عثمانیہ اپنی اعلیٰ
صلاحیتوں کے سبب ساری دنیا میں پھیل چکے ہیں۔ زندگی کا کوئی ایسا قابل
ذکر شعبہ نہیں ہے جس میں جامعہ عثمانیہ کے پیروں نے اپنا نام نہ کمایا ہو۔

دورِ حاضر میں جن کو میں جانتا ہوں ان کی تعداد بھی بہت زیادہ
ہے۔ پیردن ملک ہی نہیں اندرون ملک بھی اعلیٰ مقامات پر فائز ہیں اس
وقت جدہ آباد ہیں بھی بہ قیدِ جیات یہ شمار عثمانین ہیں جو اپنی مادرِ جامعہ
کا نام روشن کر رہے ہیں نبعِ دانش کدے اس قدر مشہور ہیں کہ جن کی وابستگی
سے ہی عزت و وقار میں اضافہ ہوتا ہے۔ میں ایسے بیسیوں فرزندانِ جامعہ
عثمانیہ سے واقف ہوں جو فخرِ بہ طورِ پیرِ فرزندِ جامعہ ہونے پر چھوڑے نہیں سکتے

حضرات ہی نہیں خوانین کی بھی ایک بڑی تعداد دخترانِ جامعہ عثمانیہ میں شامل
 تھیں۔ یہی تعداد ایش کدے اتنے نیر کشش ہوتے ہیں کہ وہ اپنے فرزندوں کو اُن
 کی زندگی کے سر موڑ پر یہ احساس دلاتے ہیں کہ چاہے وہ دنیا کے کسی بھی خطہ میں
 کیوں نہ رہیں انہیں یاد رکھیں۔ وابستگی کا احساس معاشرہ میں برگزیدہ بنا
 دینا ہے جزیہ وابستگی ہر مشکل مرحلہ پہ نہ صرف ایک قوت عطا کرتا ہے
 بلکہ حوصلہ دلاتا ہے۔ ایک ایسا شخص جو کسی ادارے یا کسی مرکز سے اپنا رشتہ
 رکھتا ہے اگر وہ با ظرف ہو تو تمام زیست ان اداروں اور اُن مراکز کے
 احسانات کو کبھی بھی قبول نہیں سکتا۔ ممتاز عثمانین سعید بن محسن باغزال
 جو زائد از ۳۰ برسوں سے جلدہ میں مقیم ہیں اس بات پر مسرت محسوس کرتے ہیں
 کہ وہ عثمانین ہیں وہ مادرِ جامعہ کو سمجھتے نہیں ہیں شاید یہی جذباتی لگاؤ ہے
 جس کے زیرِ اثر وہ جلدہ میں قائم بزم عثمانیہ جلدہ سے وابستہ ہیں صرف وابستہ
 ہی نہیں ہیں بلکہ اس کے سربراہ بھی ہیں اور کئی برسوں سے بزم عثمانیہ جلدہ کا علمی و
 ادبی، شعری و تہذیبی سرگرمیوں سے دلچسپی رکھتے ہیں بزم عثمانیہ بچے بھر تک و
 فعال چرل سکریٹری عارف قریشی گھر پر تکی کرتے ہیں بزم عثمانیہ جلدہ کے تمام
 پروگرامس کے انعقاد میں ان کی مشاورت اور ان کی سرپرستی کا بیڑا دخل رہنا
 ہے سعید صاحب عارف قریشی کی ادبی و تہذیبی سرگرمیوں سے متاثر ہیں ہی
 وجہ ہے کہ وہ عارف قریشی کا برسوں سے ساتھ ڈے رہے ہیں سعید بن محسن باغزال
 حیدر آباد کی پہلی ممتاز شخصیت ہیں جو جلدہ میں قدم و منزلت کی نگاہ سے
 دیکھے جاتے ہیں سعید صاحب کے سودا سربراہانِ حکومت سے مراحم ہیں

سعودی شہزادوں میں بھی عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں وہ خود بھی سعودی
 عرب کے شہری ہیں سجد بن محسن یا غزال فرزند جامعہ عثمانیہ یونے کی وجہ
 سے جامعہ کی تہذیبی روایات کو محسوس کرتے ہیں۔ حیدر آبادی تہذیب اعلیٰ
 اقدار اور تہذیب نگرشتہ کی شدت سے پاسداری کرتے ہیں سجد بن حسن
 باغزال سے میں ۲۰ برس پہلے واقف ہوا جب وہ عابد علی خان اور جگر صاحب
 سے ملاقات کے لیے سیاست آفس آنے تھے جگر صاحب نے میرا اُن سے
 تعارف کروایا تھا اور مجھ سے فرمایا تھا کہ اُن کی حیدر آباد آمد کے سلسلے میں سیاست
 کے لیے نبیو بنائوں۔ سعید بن حسن باغزال اسی زمانے میں حیدر آباد کی گنگا جی
 تہذیب کے پس منظر میں سیاست میں بہت ہی عمدہ مضمون شائع ہوا تھا
 وہ مضمون پڑھنے کے بعد میں بہت متاثر ہوا جی چاہا کہ اگر وہ حیدر آباد آئیں تو
 اُن سے مل لوں۔ جب وہ دوبارہ حیدر آباد آئے تو میں نے اُن سے خواہش
 کی تھی کہ وہ حیدر آباد سے متعلق مضامین سے ہمیں نوازیں۔ اُس کے بعد ان کے
 کچھ مضامین سیاست میں شائع ہوئے۔ جب ۱۹۹۷ء میں حیدر میں ۲۰ سال
 جشن حیدر آباد تقاریب کا اہتمام کیا گیا تو اس تقریب کے سلسلے میں بھی اُن کا
 بڑا تعاون رہا۔ نہایت شاندار پہیلے پر جشن حیدر آباد تقاریب منعقد ہوئیں
 ان تقاریب کے دوران ایک دن مشاعرہ بھی ہوا جس میں حیدر آباد کے مہمان
 شعراء کے علاوہ سعودی عرب میں مقیم حیدر آبادی شاعروں نے کلام سنایا تھا
 حیدر آباد سے میرے علاوہ ڈاکٹر حکیم، اعلیٰ الدین نوبہ، حامیث اللہ، بوگس
 حیدر آبادی، مصطفیٰ علی بیگ، طالب عثمانی میری، صیغۃ اللہ میاٹ وغیرہ نے

نے بھی شرکت کی تھی۔ جشنِ حیدر آباد تقریب میں جناب عابد علی خان صاحب، جناب محبوب حسین جگر، جناب ہاشم علی اختر اور جناب صلاح الدین اویسی بھی مدعو تھے سعید بن حسن باغزال اُنس حیدر آبادیوں کی محفل میں نال رنگ کی رومی ٹوپی پہنے ہوئے اعلیٰ درجہ کی شہروانی زیب تن کیے ہوئے خالص قدیم حیدر آبادی دکھائی دے رہے تھے جشنِ حیدر آباد تقاریب کے بعد بزم عثمانیہ جلدہ کے زیرِ اہتمام ۱۹۹۲ء میں ایک مشاعرہ ہوا۔ امیر احمد خسرو رئیس اختر اور میں نے شرکت کی تھی دوسرا مشاعرہ انڈین ایمبسی اسکول کی جانب سے ہوا اتفاقاً جس میں میں اور رئیس اختر نے حیدر آباد کی نمائندگی کی تھی۔ عارف قریشی کی منتخبی دلچسپی کے علاوہ سعید بن حسن باغزال صاحب کی مرضی کو بھی دخل تھا کہ ہم ان دونوں مشاعروں میں مدعو رہیں۔ سعید بن حسن باغزال نے جدہ میں ہماری بہت پزیرائی کی۔ اپنے دولت خانہ پر ایک پُر تکلف عثمانیہ دیا۔ ہمارے مراسم ان دو مشاعروں کے بعد کچھ زیادہ ہی مستحکم ہوئے حیدر آباد کو وہ کسی نہ کسی بہانے جب تک بھی آتے ہیں اُن سے لازمی طور پر ملاقات ہوتی ہے اگر ان کے قیام کے دوران ان کے کسی عزیز کے ہاں شادی کی تقریب ہو تو وہ لازماً مجھے اور رئیس اختر کو مدعو کرتے ہیں سعید صاحب ایوانِ پیرس معظم شاہ شجاع کے مشاعروں کے علاوہ ادارہ میراثِ پیرس کے لوگ کی ادنیٰ محفلوں اور مشاعروں میں بہ حیثیتِ مہمان خصوصی مدعو رہے ہیں۔ ان کی پُراثر تحریر کی طرح ان کا طرزِ مخاطب بھی متاثر کن ہوتا ہے جدہ میں حیدر آبادیوں کے لیے سعید بن حسن باغزال سائبان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حیدر آبادیوں کے مسائل کو سلجھانے میں پیش پیش رہتے ہیں

نہایت ہمدرد با مروت انسان ہیں۔ ہاشم علی اختر، ڈاکٹر منان اور نواب
 شاہ عالم خان سے بھی ان کے دو کتابہ مراسم میں جب کبھی وہ حیدر آباد میں
 توان کا قیام اختیار فرماتے ہیں (ذرا علی) کے مکان میں رہتے ہیں۔ صاحب
 معلومات کا خزانہ ہیں جبر و سہار کی گنگا جمنی تہذیب اور قدیم روایات حیدر آباد
 وہ ایک جامع کتاب سمجھ سکتے ہیں اگر وہ اس موضوع پر قلم اٹھائیں تو حیدر آباد
 کی بڑی خدمت ہوگی بلکہ فرزند جامعہ عثمانیہ ہونے کے ناتے ایک اخلاقی فیوض
 کی تشکیل ہوگی۔ سعید بن حسن باغزال جب کبھی سیاست آتے ہیں تو ان سے ملنا
 ہو جاتی ہے۔ حیدر آباد میں سعید صاحب کے دو سٹوں کی ایک بڑی تعداد ہے
 سابق سفیر ہند برائے سعودی عرب جناب محمود بن محمد سے بھی ان کے اچھے مراسم
 ہیں خلیل الرحمن صاحب سابق ایم پی سے بھی روابط ہیں۔ سعید بن حسن باغزال
 نہایت مخلص، خالص حیدر آبادی مزاج کی حامل شخصیت ہیں آئینہ مثال ان
 کی شخصیت نے مخاطب کو ہمیشہ متاثر کیا۔ شعری و ادبی کتابوں کے مطالعہ سے غامی
 دلچسپی رکھتے ہیں جب بھی حیدر آباد آتے ہیں تو اپنی پسند کی کچھ کتابیں خریدتے ہیں
 سعید صاحب اس بات پر مسرت محسوس کرتے ہیں کہ حیدر آباد میں علمی و ادبی
 شعری و تہذیبی سرگرمیاں پوری آب و تاب کے ساتھ باقی ہیں۔ حیدر آباد کی خاص
 خاص علمی و ادبی محفلوں میں شرکت کرتے ہیں ان کی یہ خواہش رہتی ہے کہ حیدر آباد
 کا ہر باصلاحیت قلم کار شعر و ادب کی دنیا میں سے وہ سرزمین حیدر آباد کی خوشبو سے
 اپنے دل و جان کو نہکاتے رہتے ہیں اپنے حیدر آبادی ہونے پر فخر محسوس
 کرتے ہیں ان کی وضع داری ایک مخصوص انداز سے خوشبو کا سطر طے کر رہی ہے

حسن چشتی

(تہذیبی سیفر۔ شکاگو میں حیدر آباد کی پہچان)

معاشرہ میں یعنی لوگ اس طرح کے بھی ہوتے ہیں کہ جن کا کسی سے
 یہ ظاہر کوئی رشتہ نہیں ہوتا۔ نہ تو خون کا رشتہ، نہ اخلاص و محبت کا، نہ دوستی و
 دشمنی کا۔ پھر بھی بعض شخصیتیں کچھ اس قدر متاثر کن ہوتی ہیں کہ جن کے بارے
 میں جاننے کے لیے طبیعت مائل ہو جاتی ہے جن کے بارے میں خود بہ خود ایک
 ایسی رائے قائم ہو جاتی ہے کہ معاشرہ میں وہ قابل ذکر ہو جاتے ہیں جن کی
 سرگرمیاں اور جن کے کارنامے اس بات کا احساس دلاتے ہیں کہ وہ معاشرہ
 کے ایک اہم رکن ہیں اور ایک ایسے رکن ہیں جن پر ہمیشہ لوگوں کی نظریں
 جمی رہتی ہیں۔ اپنے فلاحی، شعری، ادبی، علمی و تہذیبی کارناموں کے
 حوالے سے کچھ کر دکھانے والے لوگوں کی زندگی دنیا والوں کے لئے رہتی ہے۔
 مسرت نگاہی، سوچ سوچ کر قدم بڑھانا ان کے فطری بہادری کے معاشرہ ہوتا
 ہے وہ اپنی سرگرمیوں سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ ان کا ہر فلاحی، تہذیبی و

ثقافتی عمل کبھی رائیگاں نہیں جاتا۔ جس کام کو تکمیل تک پہنچانا چاہتے ہیں وہ عملی اقدام کے ساتھ کامیاب و کامران رہتے ہیں چونکہ ان کا ہر قدم صراطِ مستقیم کی طرف بڑھتا رہتا ہے اس لیے پروردگارِ عالم اُن کی خوشیوں کو پورا کرتا ہے اُن کی نیک نیتی اور ان کے نیک اقدام کو کامرانی کی طرف موثر دیتا ہے اس طرح کے لوگ جب مست و سرشار رہتے ہیں تو نہ تو وہ جسمانی تھکن محسوس کرتے ہیں اور نہ ہی ذہنی تھکن۔ بلکہ اچھے اور انسانیت کے فائدے کے لیے کئی سہاواں کام کر رہے ہوں گے انہیں ایک ایسی طاقت ملتی ہے جو ان کے دل و دماغ کو گرماتی رہتی ہے اُن کے جسم کی حرارت اُن کی رگوں میں بہتے ہوئے خون کو ہر لمحہ خارج پیش کرتی رہتی ہے۔ اس تہمد کی تحریر کی روشنی میں امریکہ (شکاگو) میں پیدا ہوئے تھے جی سیفر حسن چشتی کی جانب خود بخود نظر اٹھ جاتی ہے۔ حسن چشتی صاحب شکاگو میں خاص طور پر حیدرآبادیوں کے لیے اور ایسے حیدرآبادیوں کے لیے جو نجی اور غیر نجی مسائل میں گھرے رہتے ہیں مسیحا کا کام کرتے ہیں اُن کے لیے سائبان کی حیثیت رکھتے ہیں میرے کچھ احباب جن کا شکاگو آنا ہمارا مقصد ہے وہ یہ کہا کرتے ہیں کہ حسن چشتی حیدرآبادیوں کے لیے وہ سب کچھ کرتے ہیں جو اُن کے لیے میں ہوتا ہے اگر کوئی حیدرآبادی روزگار کی تلاش میں غیر یقینی حالات سے گزر رہا ہے تو وہ اس بات کے لیے کوشاں رہتے ہیں کہ اس کے مسائل کو جلد از جلد یکسوئی ہو جائے وہ اس سلسلے میں ہر ممکن تعاون کرنے ہیں اور بڑی حد تک اپنی کوششوں میں کامیاب رہتے ہیں۔ میں نے اپنے بعض دوستوں سے یہ بھی سنا ہے کہ اگر کسی حیدرآبادی کو شکاگو سے حیدرآباد

آنا ہے اور اس کے ہاں واپسی کے ٹکٹ کے پیسے نہیں ہیں تو وہ کسی نہ کسی طرح اس کے ٹکٹ کا انتظام کرتے ہیں انہیں کسی بھی حیدر آبادی کی پریشانی دیکھی نہیں جاتی۔ شکاگو میں مقیم حیدر آبادیوں سے ان کے بہت ہی اچھے دوستانہ مراسم ہیں ان کے مختلف مسائل کی یکسوئی کے لیے بھرپور تعاون کرتے ہیں حسن چشتی ایک طویل عرصہ سے شکاگو میں مقیم ہیں گرین گارڈ ہولڈر ہیں۔ شکاگو میں کوئی علمی، ادبی و تہذیبی ایسی انجمن نہیں ہے جس سے حسن چشتی کا کسی نہ کسی حیثیت سے واسطہ نہ ہو۔ تمام حیدر آبادیوں سے انہیں دلی لگاؤ ہے یہ سب کچھ وہ حیدر آباد کی محبت میں کرتے ہیں حیدر آباد کی مٹی کی خوشبو ان کے جسم و جاں کا ایک الٹو حصہ بنی ہوئی ہے حیدر آباد کی خوشبو ان کی سانسوں کو مہکاتی رہتی ہے اور یہ مہک شکاگو کی ہر تہذیبی و ثقافتی محفل میں اثر انداز رہتی ہے حسن چشتی جدہ سے ۲۰، ۲۲ برس پہلے شکاگو منتقل ہوئے۔ اس سے پہلے وہ جدہ میں تھے جہاں کی علمی و ادبی محفلوں میں کارہاے نمایاں انجام دیتے رہے۔ ان کے تمام نامکمل کام جدہ میں ان کے عزیز دوست عارف قریشی نہایت سلیقے سے انجام دے رہے ہیں شکاگو میں علمی و ادبی سرگرمیوں میں دلچسپی لینے کے علاوہ وہ فلاحی کاموں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتے تھے یہی تہذیبی ذہن جدہ میں شروع کی ہوئی سرگرمیوں کو شکاگو میں پائے تکمیل کو پہنچانے میں سرگرم عمل ہے جدہ میں ان کے رفقاءے کار میں عارف قریشی زیادہ نمایاں تھے جدہ کی ایک بزرگ شخصیت، مہتمم، عثمان بن سعید بن حسن باغزال سے بھی وہ مختلف پروگرام کے سلسلے میں تعاون

حاصل کرتے تھے۔ حسن چشتی جب تک حیدر آباد میں رہے وہ اپنی مثالی و فعال شخصیت کی وجہ سے مختلف قسم کی ادبی و تہذیبی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ جامعہ عثمانیہ کی ملازمت کے دوران اپنے آفس کی ذمہ داریوں کو دو قار خشا بیسیوں ضرورت مند طلباء کی مدد کی۔ اسانہ سے دوستانہ مراسم رکھے۔ طلباء کے لیے مشفق رہے کسی زمانے میں حسن چشتی اکاش کے نام سے ایک رسالہ نکالتے تھے اُن سے حیدر آباد میں میری ملاقات کہیں بھی نہیں ہوتی تھی بلکہ الفاظ دیگر اُن سے میری پہچان کا آغاز اُن کی جدہ کی تہذیبی زندگی سے ہوتا ہے وہ جدہ میں مختلف تہذیبی و ادبی پروگراموں کے انعقاد میں خاصی دلچسپی لیتے رہے۔ ان کی سرگرمیوں کی خبریں اخبار سیاست میں چھپی رہیں۔ ان کا گوشتقل ہونے کے بعد بھی انہوں نے جدہ کی ادبی و علمی و تہذیبی سرگرمیوں کو شکاگو کی محفلوں تک پہنچایا۔ سیاست اخبار کے ذریعہ اُن کی ادبی سرگرمیوں کا اندازہ ہوتا رہتا ہے شکاگو میں شاعروں کے انصرام و اہتمام میں بھی کافی دلچسپی لیتے ہیں۔ اگر حیدر آباد کی کوئی سرکردہ ادبی شخصیت شکاگو پہنچے تو وہ اُن کے طر مقدم کے لیے لازماً ادبی محفل سمجھتے ہیں ان کی سرگرمیوں میں شاعروں کو بھی بڑا دخل رہتا ہے حسن چشتی بہت اچھے شاعر ہیں بہترین نثر نگار بھی ہیں معروف مقرر بھی ہیں حسن چشتی صاحب کو اردو زبان و ادب سے گہری دلچسپی ہے ان کی اس دلچسپی کا اظہار مختلف مواقع پر ہوتا رہتا ہے گزشتہ ۵۰ سال سے سابق وائس چانسلر جامعہ عثمانیہ و مسلم یونیورسٹی، الیگزینڈریہ، جناب سید یاشم علی اختر شکاگو میں مقیم ہیں جن کے حسن چشتی صاحب

اچھے خاصے دوستانہ مراسم ہیں حسن چشتی صاحب ہاشم علی اختر صاحب کی اکثر
تحریریں اجازات و رسائل میں اشاعت کے لیے روانہ کرتے ہیں چنانچہ
حیدرآباد میں ماہنامہ سب رس اور خوشبو کا سفر میں ان کی تحریریں شائع
ہو چکی ہیں اور یہ خوشگوار سلسلہ جاری ہے حسن چشتی بہایت وجہ، وضع دار
اور فعال شخصیت کے مالک ہیں اپنی عمر کے ۸ دہائیوں کے قریب پہنچنے
کے باوجود بھی وہ چاق و چوبند ہیں۔ وہ نوجوانوں کی طرح علمی و ادبی
کاموں میں مصروف رہا کرتے ہیں حسن چشتی کے مراسم صرف حیدرآباد حلقہ
دانشوران تک ہی محدود نہیں ہیں بلکہ ان کے مراسم کا دائرہ بہت وسیع ہے
ادبی دنیا کے ہر خط میں رہنے والے اہل قلم اُردو والے اُن کے نام سے واقف
ہیں حسن چشتی ۴۵ سال کے وقفہ سے حیدرآباد آتے ہیں اور یہاں اپنے
تمام قدیم دوستوں، مشناساؤں، رشتہ داروں سے فرداً فرداً ملاقات کرتے
ہیں ہر ایک سے ملاقات کے وقت اُن کے چہرے کے نقوش سے پتہ چلتا ہے کہ وہ
صمیم قلب کے ساتھ مل رہے ہیں۔ ان کی ملاقات میں تمنع نہیں رہتا۔ کھلے
دل و دماغ کے آدمی ہیں حیدرآباد آنے کے بعد اپنی پسند کی بہت سی کتابیں
حمایہ بک ڈپو سے خریدتے ہیں حیدرآباد کے علمی و ادبی اداروں کے سربراہوں
اور ان کے کارکنوں سے ملاقات کرتے ہیں حسن چشتی صاحب کے اعزاز
میں بھی مختلف اداروں کی جانب سے تحفے آراستہ کی جاتی ہیں یہ سب
اس لیے ہوتا ہے کہ وہ ایک یارِ باش، بامروت اور شریف النفس
انسان ہیں حسن چشتی صاحب سے میراتھذیبی اور شاعرانہ رشتہ ہے

ایک دوسرے کو محسوس کرنے کا رشتہ ہے مخلص و محبت کا رشتہ ہے۔
 حیدر آباد میں اب بھی ان کے بے شمار دوست و احباب موجود ہیں میرے
 حلقہٴ احباب میں رئیس اختر اور ہاشم حسن سعید سے ان کے قریبی مراسم ہیں
 رئیس اختر سے خط و کتابت اور ذریعہٴ فون رابطہ قائم ہے ہاشم حسن سعید
 سے فون اور ای میل کے وساطت سے ادبی و تہذیبی رشتہ برقرار ہے اخبار
 سیاست سے ان کا گہرا تعلق ہے عابد علی خان صاحب اور محبوب حسین جگر
 صاحب سے ان کے اچھے روابط تھے سیاست کے قدیم اسٹاف سے ان کا
 خیر سگالی رشتہ مروجہ روابط ہے حسن چشتی شکارگو میں حیدر آباد کے تہذیبی سفیر ہیں
 جس طرح جدہ میں عارف قریشی حیدر آبادیوں کے تہذیبی سفیر ہیں حسن چشتی
 صاحب جیسے لوگ ہی اپنے بہترین کارناموں، انسانی رشتوں، اعلیٰ
 اقدار کی پاسداری اور اپنی ذاتی شرافت کی وجہ سے معاشرہ کا اہم حصہ بنے
 رہتے ہیں۔ ہم حیدر آبادیوں کے لیے یہ بات باعثِ فخر و مباہات ہے
 کہ وہ شکارگو میں حیدر آبادی تہذیب اور حیدر آبادی اعلیٰ روایات کے ترجمان
 ہیں۔ خدا انہیں طویل عمر عطا کرے تاکہ ان کی ادبی و تہذیبی سرگرمیوں
 کے سبب ہم سب زیادہ سے زیادہ مسرت محسوس کرتے رہیں۔

عارف قریشی

(سیفِ اردو برائے جدہ سعودی عرب) (کارکرد و فعال شخصیت)

معاشرہ میں اپنی ہمارقار سرگرمیوں کی یہ دولت رواں دواں ہے
 والے لوگ جہاں کہیں بھی رہیں اس بات کا احساس دلاتے ہیں کہ نجد و فکر
 رکھنے والے لوگ زمین پر بوجھ بنے ہوئے ہیں اور ایسے لوگ جو زندگی کے سفر میں
 سب سے گام رہتے ہیں ان حالات کبھی ساتھ نہیں دیتے۔ معاشرہ میں وہی
 لوگ زندہ رہتے ہیں جو ایک ایک پل کو بروئے کار لاتے ہوئے اس سے
 مستفید ہوتے رہتے ہیں صحیح ڈھنگ سے زندگی گزارنے والے لوگ نہ صرف
 خود کو بچے بلکہ اپنے اہل خاندان کے لیے بلکہ ہمارے معاشرہ کے لیے مشعل راہ بنے ہوئے
 رہتے ہیں تاکہ ان کی راہوں سے گزرنے والے لوگ اپنی منزل مقصود پر بلا کسی
 رکاوٹ کے پہنچ سکیں کسی نے صحیح کہا ہے کہ حرکت میں برکت ہوتی ہے اگر تم
 ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ رہو تو تو حالات ہمارا ساتھ دے سکتے ہیں

اور نہ ہی وقت ہمارا ساتھ دے سکتا ہے۔ زندگی مختلف النوع خصوصیات سے عبارت ہے اس کے مختلف رنگ بہتے ہیں زندگی کے چھوٹے و بڑے موسم سے استعارہ بنتے ہیں اور ایسے ہی لوگ زندگی کا صحیح لطف اٹھا سکتے ہیں جو زندگی کی حقیقتوں سے آشنا ہونے ہیں جو لوگ یہ جانتے ہیں کہ زندگی کس طرح گزاری جائے زندگی کی قدر و قیمت کیا ہے وہ ہمیشہ سرگرم عمل رہتے ہیں اور وہ جو کچھ بھی کرنے ہیں خود ان کے لیے اور معاشرہ کے لیے مفید ثابت ہوتا ہے خاص طور پر ایسے لوگ جو اپنی زندگی کو پُر مسرت محلوں سے ہم کنا کرتے ہیں وہ معاشرہ ہی لائسیت کے حامل رہتے ہیں ان کے وجود کی روشنی معاشرہ کو جگمگاتی رہتی ہے خوشی و مسرت کا اہتمام لے کر آتی ہے۔ اس قسم کی مختلف النوع خصوصیات کی حامل جبریل آباد کی ایک ایسی شخصیت جینس ہم سب سیفر اردو سماجہ سعودی عرب کہہ سکتے ہیں۔ کوئی کہے نہ کہے میں تو کہوں گا اور میرا تجربہ بتاتا ہے کہ عارف قریشی نے زبان و ادب کے لیے ریاضیہ غیر میں ایسے ایسے کام انجام دیتے ہیں جو ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔ عارف قریشی تقریباً ۲۵ برس سے جدہ (سعودی عرب) میں مقیم ہیں ان ۲۵ برسوں میں انہوں نے جدہ میں کئی علمی و تہذیبی شعری و ادبی محفلوں کا انعقاد عمل میں لایا۔ عارف قریشی اپنی طالب علمی کے زمانے سے ہی ادبی و تہذیبی سرگرمیوں وابستہ رہے۔ اردو اُتس کاغذ (اردو ہال) میں پبلے کے طالب علم رہے جامعہ عثمانیہ سے گریجویشن کی ڈگری لی۔ اپنی ذاتی کوششوں سے اپنی زندگی کو معاشی آسودگی دینے کے لیے جدہ (سعودی عرب) میں ملازمت اختیار کر لی۔ اپنے معاشی حالات کو بہتر سے بہتر بنایا۔ عارف قریشی نے صرف روپیہ کمانے میں ہی اپنا وقت صرف نہیں کیا بلکہ

انہوں نے علیٰ ادبی و تہذیبی سرگرمیوں کا بھی آغاز کیا۔ ان برسوں میں عارف قریشی نے
 بے شمار تہذیبی و ثقافتی تقاریب کا اہتمام کیا۔ وہ جلد کے ایک حباب۔ آمار اسلام
 سربراہ کردہ شخصیت کی حیثیت سے کافی شہرت رکھتے ہیں جدہ کی اہم شخصیتوں
 سے ان کی اہم دراہ ہے ان کے روابط کا دائرہ صرف ہندوستانی، پاکستانی اور دنیا
 کے مختلف ممالک سے آٹے ہوئے لوگوں کی حد تک محدود رہیں ہے بلکہ انہوں
 نے سعودی عرب کے شیوخ اور مسعودی باشندوں سے بھی اپنے مراسم قائم کئے، روابط
 بڑھائے۔ عارف قریشی جدہ میں حکومت کے سربراہوں کی نظروں میں رہا کرتے ہیں
 خاص طور پر حکومت ہند کے عہدہ داروں، سفیر ہند برائے سعودی عرب سے ان کے
 مراسم نے ان کی تہذیبی شخصیت کو ہمکانے میں اہم رول ادا کیا ہے عارف قریشی
 انڈین انکمینی کے اشراف سے بھی مخلصانہ روابط رکھتے ہیں جب کبھی حکومت ہند
 کے عہدہ داروں، پیر و گرام ترقی دینا چاہتے ہیں یا سعودی عرب میں ان
 کے لیے کوئی مسئلہ درپیش ہو تو دیگر نمائندہ ہندوستانیوں میں عارف قریشی بھی شامل
 رہتے ہیں عارف قریشی اس طرح کی سرگرمیوں کے سلسلے میں ایک رکن بھی رہتے ہیں
 ان سے ضروری مشورہ حاصل کیا جاتا ہے عارف قریشی کو مشاعروں اور محفل موسیقی کے
 اہتمام کرتے کلبے ملوثوق ہے سال میں ایک دو بار و گرام ضرور منعقد کرتے ہیں۔ ذاتی طور
 پر بھی احباب کی مشاورت و تعاون کے سبب بھی۔ جامعہ عثمانیہ سے اپنی وابستگی
 کے اظہار کے لیے اور اس سے اپنی وابستگی کی وجہ سے بھی انہوں نے جدہ میں
 بزم عثمانیہ جدہ قائم کی۔ بزم عثمانیہ جدہ کے زیر اہتمام عارف قریشی نے بے شمار
 پروگرام پیش کیے ہیں نہ صرف یہی بلکہ بڑے بڑے مشاعروں کا اہتمام بھی کرتے

رہے ہیں اور محفل موسیقی بھی آراستہ کرتے رہے ہیں جو حضرات ہر صبح کے سلسلے میں جلد آنے میں اگر ان کا تعلق کسی تہذیبی و ادبی ادارے سے ہو تو ان حضرات کا بھی خیر مقدم کرتے ہیں اور ان کے لیے محفل آراستہ کرتے ہیں عارف قریشیؒ، انڈین سوسائٹل ویلفیئر اسوسی ایشن کے سربراہ بھی ہیں جس کے ذریعہ انہوں نے کئی اعلیٰ اداروں کی رقی ماہ ادک ہے۔ جب کبھی وہ حیدرآباد آتے ہیں تو کئی کار خیر اپنی موجودگی میں انجام دیتے ہیں اور وہ اگر نہ ہی آئیں تو کچھ ایسا انتظام کرتے ہیں کہ مستحق اداروں کی مدد کی جاتی رہے۔ عارف قریشی سے میری شخصیت ملقا فائز آج سے ۲۰ برس پہلے ملتان و مزاحم کے نامور شاعر بوگس حیدر آبادی کی معرفت ملحق ہوئے۔ بوگس حیدر آبادی اردو، اردو، اردو میں ان کے ہم جماعت تھے چونکہ عارف قریشی طالب علمی کے زمانے سے ہی تہذیبی و ادبی سرگرمیوں سے دلچسپی رکھتے تھے اس وجہ سے انہوں نے جلد یہ سوچنے کے بعد بھی ادبی و تہذیبی سرگرمیوں کا آغاز کر دیا۔ عارف قریشی نے عظیم الشان پیپانے پر مشاعرے بھی منعقد کیے اور محفل موسیقی کا بھی انتظام کیا۔ اس طرح کا سلسلہ اب بھی جاری ہے اپنی انجمنوں سے ہٹ کر وہ انڈین ایمپلس اسکول جلد کے زیر اہتمام ہونے والے مشاعروں کی مشاہرتی کمیٹی کے ایک رکن بھی رہے ہیں ان کے مشاعروں میں ہندوستان اور پاکستان کے تقابلی تمام ماہر شاعر۔

شرکت کر چکے ہیں عارف قریشی کی دعوت پر ہمیں دو دفعہ جلد مشاعرہ میں شرکت کر چکا ہوں۔ میں نے ۱۰ سالہ جشن حیدر آباد تقاریب ۱۹۷۶ء میں بھی شرکت کی تھی۔ اس مشاعرہ میں حیدر آباد کے مشاعروں میں میرے علاوہ حمایت اللہ، علی الدین نوید، بوگس حیدر آباد، صیغہ اللہ بھاٹ، طالب خوند میری نے بھی شرکت کی۔ عارف قریشی ۱۰ سالہ جشن حیدر آباد

کے لیے یہی نئی مکتوم عمل رہے۔ جدہ میں نہایت شاندار سپانے پر جشن
 حیدر آباد تقاریب ہوئیں جن میں عابد علی خان صاحب، محبوب حسین جگر
 ہاشم علی اختر، سلطان صلاح الدین ادیبی نے شرکت کی تھی۔
 عارف قریشی نے بزم عثمانیہ کے زیر اہتمام منعقد کیے جانے والے مشاعروں
 کے سلسلے میں ادبی میگزین بھی شائع کیے ہیں یہ میگزین حیدر آباد
 میں طبع ہوئے۔ میگزین کی ترتیب و ترتیب اور اس کی صورت نگری
 کے مراحل میں میں نے عارف قریشی کا ساتھ دیا۔ عارف قریشی کی شخصی
 دلچسپی سے حیدر آباد کے شاعروں کے نعتیہ کلام پر مشتمل کتاب فیضانِ رسول
 کے نام سے شائع ہوئی۔ جس میں ہر شاعر کی ۴۴ نعتیں شامل ہیں اس
 مجموعہ کی ترتیب میرے ذمہ تھی اس کے علاوہ اس کتاب سے قیل مرزا
 شکور بیگ کے نعتیہ کلام کی کتابت کے مرحلے سے طباعت کے مراحل تک
 میں نے مکمل تعاون کیا۔ یہ کتاب میری زیر نگرانی شائع ہوئی۔ بزم عثمانیہ
 جدہ کے زیر اہتمام حیدر آباد کے مشہور شاعر سو من خان شوقی کا مجموعہ کلام
 کرن کرن اُجلا بھی شائع ہوا اس کی اشاعت بھی میرے ذمہ تھی۔
 ۱۹۹۸ء میں عارف قریشی نے بزم عثمانیہ جدہ کی جانب سے میری منتخب
 غزلوں پر مشتمل ایک مجموعہ کلفت اں کے نام سے شائع کیا۔ عارف قریشی
 جب بھی حیدر آباد آتے ہیں کچھ وقت میرے ساتھ بھی گزارتے ہیں۔
 ان کے اعزاز میں ہمارے شہر میں کچھ ادبی محفلیں بھی منعقد ہوا کرتی ہیں۔
 وہ علمی و ادبی اداروں کی اعانت کے سلسلے میں مجھ سے مشورہ کیا کرتے ہیں

میں نے ادارہ میرا شہر میرے لوگ کے علاوہ ابوان پرنس مغلیہ جاہ کے
 مشاعرہ میں عارف قریشی کو مہمان خصوصی کی حیثیت سے مدعو کیا۔ حیدر آباد
 کے رشتہ داروں میں رئیس اختر نے صرف ان کے پسندیدہ شاعر ہیں بلکہ
 ان کے عارف قریشی کے ساتھ گہرے دوستانہ مراسم ہیں سیاست اخبار
 سے ان کے دیرینہ مراسم ہیں جدہ کی علمی، ادبی و تہذیبی تقاریر کی رپورٹ
 سیاست کے لیے روانہ کرتے ہیں ان کی تحریریں اہتمام کے ساتھ شائع
 ہوتی ہیں۔ زاہد علی خان صاحب سے بھی ان کے اچھے خالص مراسم ہیں عارف
 قریشی نے سیاست اخبار کے لیے اپنی بے شمار تحریریں روانہ کیں جو اشاعت
 پذیر ہوئیں۔ عارف قریشی نہایت صاف گو، پاک و صاف ذہن و
 فکر کے مالک ہیں، خلص، یامروت شخص ہیں ان کی رشتوں کے قدردان
 ہیں۔ تہذیب و تہذیب یافتہ لوگوں کی صحبتوں میں رہتے ہیں ان کے
 احباب میں مختلف شعبہ حیات سے تعلق رکھنے والے لوگ بھی ہیں
 عارف قریشی ایک پارہ صفت انسان ہیں اور اپنی فعالیت سے
 معاشرہ میں پھل مچاتے — رہتے ہیں خود بھی سرگرم عمل رہتے ہیں اور
 دوسروں کو بھی مصروف رکھتے ہیں عارف قریشی عزت و شہرت سے
 نوازے جانے کے باوجود، غرور و تکبر جیسی محرکات سے مبرا ہیں، دین دار
 نیک دل، انسانیت نواز اور خلص ترین انسان ہیں، انہیں اپنی
 زبان، اپنی تہذیب سے والہانہ تعلق ہے جس کا ثبوت اکثر و بیشتر
 مختلف نوعیت کے ادبی و تہذیبی پروگراموں کے انعقاد سے دیکھتے

میں۔ عارف قریشی سماجی اعتبار سے محکم ہیں ان کے گھر کا ماحول مشرقی
 تہذیب کا آئینہ دار ہے مہذب معاشرہ کی نمائندہ شخصیت میں جدہ
 میں قدیم نامور عثمانین سعید بن حسن باغزال کی تعظیم و تکریم
 میں کبھی کوتاہی نہیں کرتے۔ سبزم عثمانیہ جدہ اردو دیلیغیر سوسائٹی کے
 وہ سربراہ ہیں جدہ میں ادبی و تہذیبی تقاریب کے علاوہ شاعروں کے
 انعقاد کے سلسلہ میں ان کی سرپرستی حاصل رہتی ہے سعید صاحب بھی۔
 عارف قریشی کی سرگرمیوں سے نہایت مطمئن رہتے ہیں بلکہ خوش ہوتے
 ہیں حیدرآباد سے متعلق کوئی خاص بات ہو تو وہ مجھ سے فون پر معلوم
 حاصل کر لیتے ہیں سلسلہ خط و کتابت بھی جاری ہے میری نظر میں گذشتہ
 زائد از ۲ برسوں سے جس انداز سے عارف قریشی نے جدہ میں ادبی و تہذیبی
 (شاعری۔ موسیقی) کی محفلوں کا اہتمام کیا ہے کسی اور حیدرآبادی نے
 نہیں کیا اسی لیے میں انہیں سبفرارد براجمہ سحودی عرب کہتا ہوں میری
 دعا ہے کہ خدا عارف قریشی کی عمر دراز کرے اور ان سے اسی طرح زبان و
 ادب کا کام لیتا رہا۔ مجھے کس بات کا کھلے دل سے اعتراف ہے کہ عارف
 قریشی نے مجھے حیدرآباد کے شاعروں میں زیادہ اہمیت دی۔ مجھ پر بھروسہ
 کیا۔ ادبی و تہذیبی کاموں کے سلسلے میں اعتماد کیا۔ عارف قریشی کی روان
 دو ان شخصیت کی مرثانی ادبی سرگرمیاں مجھے یقین ہے کہ ان انداز
 سے جاری رہیں گی پورے اعتماد و تازگی کے ساتھ

عبدالرحیم آرزو

(ممتاز قانون راول۔ نامور شاعر۔ معتبر شخصیت)

جب کبھی کسی دوست کے بارے میں لکھنے کو بیجا ہوتا ہے تو خیالات کے طوفان امنڈنے لگتے ہیں اور جب تم تم کر قلم چلنے لگتا ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی آبشار اونچی اونچی پہاڑیوں کی چوٹیوں سے نیچے اترتے ہوئے دھیرے دھیرے زمیں پر ہورہا ہے۔ وہ صوفی کے قدم چوم رہا ہے (لیکن روانہ کی زیریں پر ہمیشہ تابندہ و زندہ رہتی ہیں تب ہی تو کائنات کے ہر ذرہ ذرہ میں حیات آفرین مناظر جلوہ گر ہوا کرتے ہیں۔ ہر دور کے منتخب لوگوں میں کچھ ایسے منفرد لوگ بھی ہوتے ہیں جو اپنی شرافت، اصول پسندی، نیک نفسی، میانہ روی، بردباری، رواداری اور وضع داری کی وجہ سے یاد کیے جاتے رہیں گے جو لوگ اپنی زندگی کے صحیح و شام کو ایک خاص پنجہ اور خال طرح داری کی نذر کرتے ہیں وہ اپنی بہترین خدمات، عمدہ کارناموں اور اعلیٰ صلاحیتوں کے سبب انسانی تہذیب کی تاریخ میں نہ صرف اپنا ایک اعلیٰ و بلند مقام

بنالینے ہیں بلکہ زندگی بھر اپنی خصوصیتوں کے ساتھ اپنے وجود کا احساس
 دلاتے رہتے ہیں۔ کئی موسم آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں لیکن مستقل مزاجی
 ثابت قدمی، موصصلے اور جرات کے ساتھ چلنے والے لوگ اپنی روش اپنے
 رویے، اپنے سلوک اور اپنی رسم و راہ سے معاشرہ کے ہر پہلو کو آجالوں کی
 سوغات سے سرفراز کرتے رہتے ہیں۔ بعض ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو اپنے
 لیے کم اور دوسروں کی بھینسی کے لیے زیادہ سرگرم عمل آ رہا کرتے ہیں جن کی زندگی
 کا ایک ایک لمحہ نور و نعمت ہم زبان بن جاتا ہے اور نیم صبح کی سیلی انگڑائی
 کی طرح سارے ماحول کو نوز تازگی اور شگفتگی کی دولت سے مالا مال کر دیتا
 ہے۔ انسانی رشتوں کی قدر کرنے والے لوگ، قدرت کا ایک عظیم عطیہ سمجھ
 جاتے ہیں۔ جن لوگوں کے شب و روز انصاف پسندوں اور احسان سونے
 والوں کے درمیان گزرتے رہتے ہیں ان میں سے ایک ممتاز عثمانی
 ماسٹر قانون اور نامور شاعر عبدالرحیم آرزوی ہیں۔ عبدالرحیم آرزو
 شاعر کے ان روشن ضمیر شخصیتوں میں سے ایک ہیں جن کا نام ہر دور میں
 عزت و احترام کے ساتھ لیا جاتا رہا ہے گا۔ عبدالرحیم آرزو جیسے عظیم
 پاک فاضل بے داغ شخصیتوں کے تذکرہ سے ہی فکر و خیال کے بے شمار گوشے
 روشن ہو جاتے ہیں اور ایک ایسی شفاف شخصیت نظروں کے سامنے آجھ کر
 آ جاتا ہے جس کا وجود حیات انسانی میں سرچشمہ فیضان بنی ہوئی ہے۔
 عبدالرحیم آرزو بلاشبہ ایک ایسی ہی شخصیت کے مالک ہیں جن کی دوستی
 شرافت اور انسانی و تہذیبی خدمات کو بھلا یا نہ جاسکے گا۔ تہذیبی تاریخ

گمراہ ہے کہ کچھ لوگوں کی شناخت انسانی قدروں پر مشتمل معاشرہ کا ایک روشن حصہ بن کر رہ جاتی ہے۔ عبدالرحیم آرزو کی جن خوبیوں، اچھائیوں اور یکنہ نرین قدروں کا میں نے حوالہ دیا ہے وہ میرے قلمی تاثرات کا ایک معمولی عکس جمل ہے جو برسوں سے میرے دل و دماغ میں پروش پارہا تھا۔ میرا دل کہتا ہے عبدالرحیم آرزو سے جس کسی شخص کے مراسم بستے ہیں وہ لوگ خوش نصیبوں کی پہلی صف میں نظر آئیں گے مجھے بھی یہ اعزاز حاصل ہے کہ میں بھی ان کے دوستوں کی پہلی فہرست میں اپنے صحیح مقام پر موجود ہوں۔ عبدالرحیم آرزو اگرچہ گلبرگہ میں رہتے ہیں لیکن محسوس ہوتا ہے کہ وہ حیدرآباد میں ہیں۔ یہاں کی سحر اور خوشگوار فضا سے وابستہ ہیں ان میں قدیم عثمانیہ کی خوبیاں نظر آتی ہیں۔ شائستگی، رکھ رکھاؤ، اعلیٰ ظرفی اور انسانیت ان کی طبیعت کا خاص وصف ہے گلبرگہ نے ہر دور میں جو ہر پاروں کو جنم دیا ہے۔ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے زیر سایہ بے شمار رہنے والے صاحب عرفان شخصیتیں، فیوض و برکات سے فیض یاب ہو رہی ہیں شہر گلبرگہ، اعلیٰ دینی، فلاحی و تہذیبی، شعری و ادبی اقدار سے جڑا ہوا ہے اگرچہ آج بھی مختلف شعبہ حیات سے وابستہ لوگ اپنی زندگی کا سفر طے کر رہے ہیں لیکن ان تمام لوگوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنی انفرادیت کے ساتھ معاشرہ میں اپنا ایک اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ گلبرگہ شریف کے ذی اثر، پُر وقار، قابل تزیین صاحبانِ علم و ادب اور دانشورانِ شعر و ادب میں عبدالرحیم آرزو کا بھی شمار

ہوتا ہے جو بلا تخصیص مذہب و ملت باشعور لوگوں میں توفیق کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں ایسے لوگ جو اپنی زندگی کے ایک ایک پل کو انسانی صفات کے لیے وقف کرتے ہیں وہ اپنے دور کا ایک عظیم سرمایہ سمجھے جاتے ہیں۔ عبد الرحیم آرزو سے میرے دوستانہ مراسم کی عمر نہ بھی بم ۱۸ برس کا ہوئی) میں نے اپنی دوستی کے اس عرصہ میں ہمیشہ ترقی و ترقی محسوس کی ہے جب کبھی ان سے ملاقات ہونے سے پہلے محسوس ہوتا ہے کہ ان کے لب و لہجہ کا سارا اثر میری شخصیت میں ضم ہوتا جا رہا ہے شخصی ملاقاتوں میں وہ اپنی بے ریا سکر اہرٹ اور دالہانہ و ابستگی کا بھرپور احساس لاتے ہوئے گرم جوشی کا اثر چھوڑ جاتے ہیں۔ عبد الرحیم آرزو اپنے دوستوں میں اپنی پاکیزہ طبیعت، بے لاگ رشتہ باہم اور پُر خلوص جذبہ یتیم ننگت کی وجہ سے بہت زیادہ پسند کیے جاتے ہیں۔ ہمارے مراسم کی بنیاد ہی بے نوث و کوئی کی اساس پر قائم ہے مجھے یاد نہیں ہے کہ میری ان سے پہلی ملاقات کہاں ہوئی تو خیال آئے کہ پہلی ملاقات گلبرگہ میں محلہ بٹلی والاہ میں ہونے والے تعینہ مشاعرہ میں ہوئی تھی اور کچھ برسوں تک ہر سال اسی سالانہ مشاعرہ میں ہونے لگی۔ مجھے یہ بھی یاد ہے کہ انہوں نے پہلے پہلے ممتاز صحافی، پاسبان اردو زبان و تہذیب جناب عابد علی خاں صاحب مدیر "سیاست" کے اعزاز میں گلبرگہ میں ایک عظیم الشان تقریب کا اہتمام کیا تھا تہنیتی تقریب کے فوری بعد بڑے پیمانے پر مشاعرہ ہوا تھا سرزاد جعفری کنولی پرشاد کنول، خیرات ندیم، ابن احمد تاب اور راقم الحروف (صلاح الدین) نے

- نہ ہی شہرت کی فتح وہ شاندار محفل شہرِ ادب، شہرِ پان گلبرگ کے لیے ایک
 یادگار محفل تھی اس کے بعد بھی بعض مشاعروں میں عبدالرحیم آرزو نے مجھے
 مدعو کیا تھا جب کبھی انکی نسلوں کے سامنے گلبرگ کی ادب و نہد سی محفلوں
 کا ذکر رہے گا تو ان تقاضا کیب کا تذکرہ بھی رہے گا سائنسدانہ شخصیتوں
 کے کارنامے (ان کی خدمات چاہے وہ کسی نئی شعبہ حیات سے تعلق کیوں نہ
 رکھتے ہوں) جعل ثانیہ جاسکیں گے۔ ان محفلوں کے بعد ہمارے مراسم میں
 اضافہ ہوتا گیا اور آج بھی ہم دوستی کی اس منزل پر ہیں جہاں روشنی کے سوا
 کچھ اور دکھائی نہیں دیتا۔ عبدالرحیم آرزو صاحب جب کبھی حیدرآباد
 آتے ہیں، ملاقات ہو ہی جاتی ہے اور اگر زیادہ مصروف رہیں تو فون
 پر نوازنا گفتگو ہوتی ہے ہماری دوستی میں جہاں رشتوں کی ٹھیک ہے وہیں
 سلسلہ پیچوں کا بھی ہے اور خوشیوں کا سفر بھی (اس طرح بھرپور کیفیات کے
 ساتھ ہمارے مراسم جاری ہیں) عبدالرحیم آرزو کی شہرت ایک مہذب
 شہری اور ایک ذی وقار شخصیت کی حیثیت سے برقرار ہے ان کا رکھ رکھاؤ
 طرزِ تکلم اور ان کی شائستگی، ان کی فطرت کے عین مطابق ہے ان کی زندگی
 فیضِ جاریہ کی طرح نغمہ بار ہے۔ آرزو صاحب نے اپنی زندگی کے پھر بہار
 دور میں قوم و ملت اور علم و ادب کی بڑی خدمت انجام دی ہیں، ایک
 با اصول آدمی ہیں سچائی کا دامن تھلے رہتے ہیں بیڑے بڑے مرحلوں پر
 ثابت قدم رہ چکے ہیں وہ چاہتے ہیں زندگی سے وابستہ وہ لمحات جو
 سرور اور خوشی کی منزل تک لے جاتے ہیں ناجیات ان میں باقی رہیں

تاکہ آکس پکس کا ماحول ہمیشہ سرسبز و شاداب رہے۔ ان کی زندگی، فکر و خیال کی تازگی کے ساتھ اپنا سفر طے کر رہی ہے۔ آرزو صاحب نے زبان و ادب تہذیب و ثقافت کو اتنا پیچھا دیا ہے کہ ان کے سہارے ہی ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ٹھکتا رہتا ہے۔ ہر انسان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے ماحول کو پھلتا پھوٹا دیکھے۔ معاشرہ میں رنگ برنگی پھول کھلتی رہیں، سماج کا ہر پہلو جگمگا رہے اور وہ اپنی زبان، اپنی تہذیب اور اپنی شرافت اور اپنی محبت کے ساتھ زندہ رہے۔ ایسے حالات سے بھی گزرتے رہے کہ جہاں صداقت پسندی، حجرات و حوصلہ کی حکمرانی کا فرما رہی ہے آرزو صاحب ہر مرحلے سے کامیابی کے ساتھ گزرتے رہتے ہیں۔ جو لوگ اپنی زندگی کے سفر میں جس قدر فراخ دل رہتے ہیں وہ اسی قدر مسرتوں سے ہم کنار رہتے ہیں جس شخص کے ہاں ایمان کی حرارت اور شرافت کی دولت ہو کبھی بھی محرومیوں کا شکار نہیں ہو سکتا۔ انسانی رشتوں کی قدر و قیمت ایک ایسا ہی شخص زیادہ جانتا ہے جو قدرت کی مہربانیوں کو اپنی زندگی کا حصہ بنالیا ہے۔ مجد الرحیم آرزو ایک اعلیٰ درجہ کے مقرر ہیں کوئی بھی موضوع کیوں نہ ہو پورے اعتماد کے ساتھ انصاف کرتے ہیں آرزو صاحب کی تقریر سننے کا تجربہ بار بار موقع ملا ہے جب وہ بولنے لگتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ ایک پُر جوش دریا ہے کہ بہتا جا رہا ہے آرزو صاحب بہترین شاعر بھی ہیں جب شاعرانہ میں کلام سناتے ہیں تو اپنی شاعرانہ بھرپور کیفیت کا احساس دلاتے ہیں سخت میں شعر سنانے کا انداز بہت ہی پُر اثر اور باوقار رہتا ہے آرزو صاحب کا

ایک مجموعہ کلام، انہما آرزو ۱۹۸۷ء میں شائع ہو چکا ہے۔ شعری وادی
 دنیا سے گہری وابستگی کے باوجود وہ اپنی وکالت کی مسرود نبات کی وجہ
 سے شعر و ادب کی سرگرمیوں کے لیے زیادہ وقت نہیں دے سکتے۔ آرزو
 صاحب کے دوستوں کی ایک مخصوص فہرست بھی یہ سنجیدگی اور خوشگوار الٹی لہجہ
 ان کا مزاج ہے۔ آرزو صاحب جیسے شریف النفس ان سے گفتگو کرنے
 میں ٹھف آتا ہے۔ اس طرح کے وضع دار، بے دربار اور مہذب لوگ بہت کم
 رہ گئے ہیں۔ اچھے دوستوں کی رفاقت قدرت کا بہت بڑا کرم ہے۔ وہ
 لوگ خوش نصیب ہوتے ہیں جن کے دوستوں کی بڑی تعداد نہ ہوتی ہے لیکن
 وہ اپنے کچھ خاص دوست بھی رکھتے ہیں کچھ ایسے لوگ جو دیانت داری کے ساتھ
 دوستی بھاننے ہیں ان میں عبدالرحیم آرزو بھی ہیں۔ آرزو صاحب کی زندگی کا
 ہر لمحہ روشنی، صداقت، مروت اور انسانی رشتوں کی پاسداری کرنے والا ایک
 خوشگوار تحفہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے ہر موڑ پر ایک کامیاب و
 سرشار رواداران کی طرح ہی رہے ہیں۔ خدا انہیں سلامت رکھے۔

وہاب عندلیب

(فکرو آگہی کی شمع فروزاں۔ نامور ادیب و مقرر)

شعور و آگہی کی نعمتوں سے فیض یاب شخصیتیں جب عملی زندگی میں قدم رکھتی ہیں تو وہ ہر قدم پر نئے نئے رنگ کے پھول کھلاتی رہتی ہیں اُن کی ہر سانس فرط و انبساط کا پیغام لے کر آتی ہے اس طرح کے لوگ معاشرہ کے ہر قسم کے منفعت و منفی اثرات سے باخبر رہتے ہوئے ایک نئے انداز سے باعالم ہوش و حواس اپنی زندگی کا سفر جاری رکھتے ہیں ان کی آرزوؤں کی بکھری ہوئی کائنات کچھ اس طرح سمٹ جاتی ہے کہ جہاں کا ہر ذرہ حیات جاوداں کا منظر بنا رہتا ہے وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہر موسم کی پہلی انگڑائی ساری کائنات کے لیے امن و سکون کا سامان مہیا کرتی رہے سارا ماحول نہ صرف روشنی سے ہم کنار رہے بلکہ گلِ شگفتہ کی مسکراہٹ کی طرح شادیاں و فرحان لے رہے سارا ماحول میں ناز و نازہ چھوڑوں کی خوشبو مہکتی رہے کوئی یہ نہ کہے کہ

مایکھا اور نامرادی اپنے قدم پھیلا رہی ہے۔ کوئی یہ نہ کہے کہ اب خوشیوں کے
 دن ختم ہوتے جا رہے ہیں لوگ آپس میں اپنے قبضانہ طرزِ عمل کو برقرار
 رکھیں۔ اس طرح کی بے شمار ایسی باتیں ہیں جن کے درمیان رہ کر ہر سوال کا
 جواب دینے والی شخصیتیں ہمارے معاشرہ میں موجود ہیں ممتاز دانشور
 وہاب عندلیب کا شمار بھی ایسے ہی لوگوں میں ہوتا ہے جو ہمیشہ دوسروں
 کے لبوں پر سکر ایٹ دیکھنا چاہتے ہیں ہر ایک شخص کا چہرہ کئی شگفتہ کی
 طرح ہمارا ہے۔ لوگ آپس میں بغیر و شکر کی طرح رہیں۔ آپس میں کسی بھی قسم کا
 بھید بھاؤ نہ رہے ہر ایک کی زندگی شفاف آئینہ کی طرح ہو۔ ہر ایک کا ظاہر
 باطن یکساں ہو۔ ہر شخص دوسروں کی خوشیوں کے ساتھ ساتھ ان کے غموں میں بھی
 شریک رہے۔ لوگ ایسی اخلاقیات کو ختم کر دیں مل جل کر رہیں اور ایک ایسی
 راہ کے مسافر رہیں جہاں پھول ہی پھول ہوں۔ خوشبو ہی خوشبو ہو جہاں ہر قدم پر
 اُجالوں کی سوغات بٹ رہی ہو۔ وہاب عندلیب اسی طرح کے حالات، اسی طرح
 کے ماحول کے دلدادہ ہیں۔ اُن کا طرزِ حیات یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ مذہبِ معاشرہ کی
 نمائندہ شخصیت ہیں اُن کے دکھ رکھاؤ سے بہتر چلتا ہے کہ وہ قابلِ اعتبار ہی
 نہیں خاندانِ آدمی پر جبرِ محفل میں بھی رہتے ہیں وہ ایک خوشگوار ماحول
 کے خاتمے کے بجائے محفلِ اُن سے مل کر اُن سے گفتگو کرتے ہوئے خوشی و مسرت
 محسوس کرتے ہیں وہاب عندلیب ایک ایسی متحرک و فعال شخصیت کے حامل
 ہیں جو رواں دواں زندگی کا اعلیٰ نمونہ بنے رہتے ہیں شگفتہ مزاج رکھتے ہیں
 دوستوں، رشتہ داروں کے دکھ درد میں برابر کے شریک رہتے ہیں اپنے خاندان

کے تمام افراد میں قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں اپنے خاندان میں قابل احترام
 حیثیت رکھتے ہیں وہاب عندلیب کی زندگی کا زیادہ وقت علمی و
 ادبی مصروفیات میں گزرتا رہتا ہے اُن کے چاہنے والوں اُن کے ہی خواہوں اور
 اُن کے احباب کا بہت بڑا حلقہ ہے شعروادب کی محفلوں میں اُن کا وجود ایک
 ایسے روشن چراغ کی طرح ہے جس کی افادیت کی کوئی حد مقرر نہیں ہے ان کی روشنی
 محدود نہیں ہے ان کا ہر شائستہ عمل خوشی و مسرت کے ماحول کو پیروان چیر ٹھانے
 سے دلچسپی رکھتا ہے وہاب عندلیب گلبرگہ کے علمی و ادبی حلقوں میں صفِ اول میں اپنا
 مقام رکھنے والے ایک ایسے دانشور ہیں جو ہر شائستہ محفل کے لیے ناگزیر کجے
 جلتے ہیں انہوں نے اردو زبان کی بقا اور اس کے تحفظ کے لیے غیر معمولی خدمات
 انجام دی ہیں۔ (اور بے رہے ہیں) زائد ازاں ۴۰ سال سے اردو زبان و ادب کی ترقی
 دیانت داری اور احساسِ ذمہ داری کے ساتھ بلا زکات خدمت انجام دے رہے ہیں
 اس وقت گلبرگہ کی چند معروف ترین منتخب شخصیتوں میں سے ایک ہیں۔ وہاب
 عندلیب کی ساری زندگی علمی و ادبی سرگرمیوں کے لیے وقف ہو چکی ہے درس و
 تدریس کے برگزیدہ پیشے سے وابستہ رہے۔ بے شمار طلباء و طالبات کے ذہن و فکر
 کو پرنور بنایا۔ وہاب عندلیب گلبرگہ میں اردو کی سرگرمیوں کو زندہ رکھنے میں پیش
 پیش رہتے ہیں وہاب عندلیب سے میری دوستی تقریباً ۲۰ برسوں سے ہے وہاب
 صاحب سے قلم کارشتہ ہے انسانی قدر و قیمت کا رشتہ ہے مستحق لوگوں کی فلاح
 بہبود کے لیے معاون بننے رہنے کا رشتہ ہے علوم و محبت کا رشتہ ہے فکر و
 آگہی کا رشتہ ہے — گلبرگہ کی ادبی و شعری محفلوں سے میرا تعلق زائد ازاں ہم بس

سے ہے۔ میں گلبرگہ میں بیسیوں ادبی محفلوں اور مشاعروں میں شریک رہا ہوں۔
گلبرگہ کے میرے قریب ترین دوستوں میں عبدالرحیم آرزوؒ و ہاب عبدالرب
اور محب کوثر ہیں۔ گلبرگہ کی محفلوں میں گلبرگہ والوں کے یہ شاید میری شاعری
کی پہچان کا ذریعہ۔ بٹلی الاوہ کے سالانہ تعینہ مشاعرے میں جس کے بانی و روح
رواں سحر قادری صاحب تھے وہاں حضرت عطا کلیانویؒ، عبدالرحیم آرزوؒ،
سیلمان خطیبؒ، سرور مرزاؒ، ڈاکٹر راہیؒ، صاحبہ شاہ آبادیؒ سے لازماً ملاقات ہوتی
تھی گلبرگہ میں عام مشاعروں کے علاوہ میں نے بعض مخصوص مشاعرے بھی پڑھے ہیں۔
دی جی و مینس کالج گلبرگہ کے علاوہ بی بی رضا کالج کے مشاعرہ میں بھی شرکت کی ہے محترم
بشیر اسد بیگم پرنسپل کالج تھیں۔ اُن دنوں ڈاکٹر لائق صلاح بی بی رضا کالج میں اردو
کی کچھ ارتھیں۔ انہوں نے رئیس اختر اور میرا اپنے کالج میں خیر مقدم کیا تھا۔ ہم اس
وقت گلبرگہ کے کسی مشاعرہ کے سلسلے میں آئے ہوئے تھے۔ حضرت خواجہ بندہ نواز
کی سرزمینِ پاک سے مجھے بھی عقیدت ہے کئی دفعہ میں نے بارگاہِ بندہ نواز میں
حاضری دی ہے سجادہ صاحب سے بھی میری صاحبِ سلامت ہے روحِ خورده کے
مشاعروں میں بھی شریک رہا ہوں۔ عبدالرحیم آرزوؒ کے زیرِ اہتمام ۵۲ برس پہلے
میرزا حسن صاحب کے خیر مقدم کے سلسلے میں عظیم الشان پیلیانے پر منعقدہ مشاعرہ میں بھی
شریک رہا ہوں جس میں سیلمان خطیبؒ میں بھی شریک رہا ہوں جناب محبوب حسین
جوگر کی ہدایت پر میں کیوڑے کا بن کی کتابت و طباعت کے مرحلوں میں معاون
رہا ہوں۔ کتاب کی اشاعت کے دوران بعض فنی امور پر گفتگو کے لیے مجھے
خطیب صاحب کو حیدر آباد بلکانا پڑا تھا۔ سرزمینِ گلبرگہ سے میرا قدیم رشتہ ہے

میرے بہت سے رشتہ دار گلبرگہ میں مقیم ہیں۔ میرے دو بھانجے مشہور شاعر و ادیب پروفیسر جلیل تنویر اور وفار ریاض کے علاوہ رشید جاوید اور ڈاکٹر اکرام الدین بھی گلبرگہ میں مقیم ہیں۔ میرے ماموں زاد بھائی ڈاکٹر شفیق کچھ برس گلبرگہ میں رہے جو ان دنوں سعودی عرب میں ہیں۔ گلبرگہ کے یادگار شاعروں میں ایک یادگار مشاعرہ دی جی ویمینس کا لکھا بھی ہے یہ مشاعرہ گلبرگہ میں کسی ٹیڑے مشاعرہ کے دوسرے دن صبح ۱۰ بجے رکھا گیا تھا وہاب عندلیب کی دعوت پر میں اور ربیس اختر مدعو تھے یہ بات ۱۹۷۵ء کی ہے اسی زمانے میں میرا دوسرا مجموعہ کلام ”زخموں کے گلاب“ شائع ہوا تھا اس مشاعرہ کے سامعین میں صرف خاتون اساتذہ اور طالبات تھیں اس مشاعرہ میں میری ایک ایسی لڑکی سے بھی رشتہ نشین پر ملاقات ہوئی جس کے ہاتھ میں میرا وہ مجموعہ کلام ”زخموں کے گلاب“ تھا وہ لڑکی رشتہ نشین پر میرے قریب ہی رہتی رہی اور اس نے مجھ سے میری کتاب پر آٹوگراف لیا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں حیدرآباد میں ہوں لیکن شادی کے بعد گلبرگہ کی ہلو کر رہ گئی ہوں۔ میں نے حیدرآباد میں آپ کو کئی شاعروں میں دیکھا ہے۔ سنہ ۱۹۷۵ء میں ملاقات نہ ہوئی تھی اب مجھے موقع مل گیا ہے۔ وہاب عندلیب نے مجھے اور ربیس کو الوند شریف کے ایک مشاعرہ میں مدعو کیا تھا جبکہ وہ وہاں کسی اسکول یا کالج میں اردو کے استاد تھے۔ وہاب عندلیب باسروت، پیر خلوص، باوقار اور دوستی کے قابل انسان ہیں۔ ہماری رسم دراہ ہمیشہ خوشگوار محافل میں سرسبز و شاداب رہی۔ وہاب عندلیب جی بھی حیدرآباد

آتے ہیں تو ان سے ملاقات ہونی ہے اور اگر وہ مسیاست آفس آتے ہیں تو مجھ سے ملاقات کرتے ہیں نہایت نفیس، شگفتہ مزاج، طرح دار، سیدھی سادھی طبیعت کے مالک ہیں ان کے ادبی خدمات کی ایک طویل فہرست ہے حیدرآباد کی بعض ادبی جلسوں کو انہوں نے اپنی بہترین خطابت اور مضامین سے مستفید کیا ہے وہ اب غازیپور کو میں نے کبھی اپنے سے جدا نہیں سمجھا میں گلبرگہ کے تمام اہل قلم حضرات کو حیدرآباد کی ادبی مفلوں کا ایک حصہ سمجھتا ہوں وہ اب غازیپور ۲۵ دسمبر ۱۹۳۳ء میں بہ مقام گنگن مڑی ضلع گلبرگہ میں پیدا ہوئے عثمانیہ یونیورسٹی سے فلسفہ میں ایم کیا۔ بی ایڈ بھی عثمانیہ یونیورسٹی سے ہی کیا۔ ایم اے اردو کرناٹک یونیورسٹی سے کیا۔ پرنسپل گو رنمنٹ پیری یونیورسٹی کالج بہال ضلع گلبرگہ رہ چکے ہیں خواجہ ابو کیشیل سوسائٹی گلبرگہ کے ڈائریکٹر ہیں۔ محکمہ سرکس ثقافت اسلامی گلبرگہ کے علاوہ انجمن ترقی اردو کی سرگرمیوں سے دلچسپی رکھتے ہیں انجمن ترقی اردو گلبرگہ کے بانی سکریٹری ہیں صدر انجمن ترقی اردو گلبرگہ بھی رہ چکے ہیں۔ گلبرگہ کی کئی علمی و ادبی اجتماعات سے ان کی وابستگی ہے۔ اس کے علاوہ مدیر سائنسہ انسان گلبرگہ، مخد اردو ہندی لٹریچر سیرکل کالج آف ایجوکیشن حیدرآباد بانی مولانا آزاد لائبریری جھکھنڈی ضلع گلبرگہ۔ کنوینر قری کو چنگا سنٹر گلبرگہ کے ریاستی و سرکاری حکومت سے متعلق اردو نصابی درسی شمی کے رکن بھی ہیں۔ کرناٹک اردو اکڈمی کے رکن تھے۔ ان کے مضامین خاکے کا مجموعہ قیمت و تاملت ۶۱۹۸۱ میں شائع ہوا۔ تحقیق و تجزیہ (مضامین کا

مجموعہ ۶۱۹۹۹ اور انکار و نظریات ۶۱۹۹۲ میں مرتب کیا۔ کرناٹک کی مختلف ادبی انجمنوں نے انہیں اعزازات سے نوازا۔ کرناٹک اردو اکیڈمی نے زبان و ادب کی مخصوص خدمات کے اعتراف میں اعزاز دیا۔ گلبرگ انسٹیٹیوٹ کالج حیدرآباد کے بانی معتمد ہیں۔ بانی معتمد بزم فلسفہ عثمانیہ یونیورسٹی ہے۔ ان کی زیرِ ترتیب کتابوں کے نام یہ ہیں۔
 گفتارِ کردار (خاکے) خواجہ بندہ نواز جیات اور افکار۔ مسلم رہنما اور آزاد خیال ہند (ادبِ اطفال)۔ ہم اردو دستوں کے لیے یہ بات باعثِ افتخار ہے کہ وہ بابِ معذیب کرناٹک اردو اکیڈمی کے مدِ نشین ہیں۔ میری دعا ہے کہ خدا اس طرح کے میرے دوستوں کو اعلیٰ و ارفع مقامات عطا کرے۔

حب کوثر

(بہترین دوست، بامروت انسان، نامور شاعر، ناظم مشاعرہ)

مشاعروں کی دنیا میں دوہری صلاحیت رکھنے والی شخصیات ہمیں بہت کم ملیں گی۔ لیکن بہت کم شخصیتوں میں جو درجہ ان کا کائنات شعروادب میں چھائے ہوئے ہے ان میں ایک اہم نام حب کوثر کا بھی ہے۔ حب کوثر جہاں بہترین شاعر ہیں وہاں اعلیٰ درجہ کے ناظم مشاعرہ بھی ہیں۔ ہم نے بعض ایسے ناظم مشاعرہ کو بھی دیکھا ہے جو اپنی غیر سنجیدہ کامروری غیر معتبر اور غیر موزوں الفاظ کے استعمال سے مشاعروں کی اعلیٰ روایات کو جو تہذیبی اقدار کا سرچشمہ بھی جاتی ہیں نقصان پہنچایا ہے جھوٹے، غیر معیاری تہذیب سے عیاری الحائف کے ذریعہ مشاعروں کی فضا کو بوجھل بنا ڈالا ہے۔ بعض دفعہ تو ایسے رکیک اور لچر لطیف بھی ہمیں سننے میں آتے ہیں جو ہمارے مشاعروں کی اعلیٰ روایات و تہذیبی اقدار کے قطعی متغائر ہوتے ہیں۔ حب کوثر کوثر بخیر یہ کار اور کامیاب ناظم مشاعرہ کی حیثیت سے اس لیے بھی قدر کی جاتی ہے کہ وہ بہ ذات خود تہذیبی

افزار کی مکمل پاسداری کرتے ہیں۔ نہایت شائستگی، شگفتگی اور پیراثر انداز میں مشاعروں کی کارروائی چلاتے ہیں۔ خداتے اپنی خاص مہربانی سے اُن کی آواز کو اتنا پیراثر بنادیا ہے کہ وہ ساری محفل پر جھجھکاتے ہیں اُن کی آواز سماعت کے لیے کبھی بار نہیں بنی۔ دورانِ مشاعرہ کبھی کبھی موزوں اور برجستہ اشعار سے بھی مشاعرہ کو فضاء کو پیراثر بناتے ہیں ان کی نظامت کی ایک خاص خوبی یہ بھی ہے کہ وہ نہایت دیاننداری کے ساتھ شعراء کا تعارف کرواتے ہیں۔ کبھی بھی کسی شاعر کے تعارف میں غلو سے کام نہیں لیتے۔ شاعر کی شاعرانہ حیثیت و عظمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے خوبصورت، موزوں، پیراثر لفظوں اور پُر وقار لہجے میں تعارف کرواتے ہیں۔ ہزاروں سامعین کی موجودگی میں بھی ان کی زبان انہیں لڑکھڑاتی۔ بڑے سے بڑے مجمع کا بھی ان کی شخصیت پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ بلکہ نہایت سکون کے ساتھ با اعتماد لہجہ و لہجے کے ساتھ مشاعرہ کی کارروائی چلاتے ہیں۔ محب کو مترتعلیم یافتہ، قہذب و پُر وقار شخصیت کے حامل ہیں ملک بھر کے دانشوروں سے ان کی رکم و راہ ہے۔ سیاسی و غیر سیاسی لوگوں سے بھی ان کے روابط ہیں۔ معاشرہ کی ایک ایسی سوز و شجیت ہیں جن سے مل کر، جن سے گفتگو کرنے ہوئے دلی مسرت حاصل ہوتی ہے، آداب گفتگو، اندازِ مخاطب اور اپنے شائستہ طور و طریق کے سبب اپنے دوستوں اور رشتہ داروں میں بے حد مقبول ہیں۔ محب کو شہر نہایت ہمدرد اور نفیس ترین انسان ہیں۔

پہلی ہی ملاقات میں کوئی بھی اجنبی اُن کا ہو کر رہ جاتا ہے وہ اپنے حسنِ شوکت اور شگفتہ و رشائستہ رہن سہن کی بدولت مخاطب کو متاثر کرنے میں آگے کوئی شخص ان کے دائرہ روابط میں ایک دفعہ آجاتا ہے تو وہ ہر ممکن طور پر اپنی دوستی اور مراسم کو نبھانا ہے محب کو شر کی ساری زندگی اس کی طرح پاک و شفاف ہے ان کا ظاہر و باطن یکساں ہے کھرے اور چھتھرے انسان ہیں۔ ایمانداری، دیانتداری ان کی طبیعت کے اہم پہلو ہیں انہوں نے بے شمار ضرورت مندوں اور اہل غرض لوگوں کی مدد کی ہے اور یہ سدا فیضانِ آج بھی ہمارے تمام شاعر برادری سے ان کے اچھے خاصے مراسم ہیں شاید ہی کوئی شاعر ان کا ہم خیال نہ بن سکا ہو۔ محب کو شر کے دوستوں کی ایک بہت بڑی تعداد ہے لیکن میں آج تک خطبعت سے یہ طے نہ کر سکا کہ کونسا دوست اُن کے کتنے قریب ہے ان کے احباب اُن سے کچھ اس طرح ملتے ہیں کہ یہ امتیاز مشکل ہو جاتا ہے کہ کس کی کیا قدر و منزلت ہے محب کو شر کے چاہنے والوں کی ایک بھری تعداد حیدر آباد میں بھی ہے حیدر آباد کے تمام ادبی حلقے ان کی شاعرانہ عظمتوں کے معترف ہیں ان کی شاعرانہ صلاحیتوں کے دل سے قدرداں ہیں۔ محب کو شر نے حیدر آباد میں بیسیوں شاعروں کو پڑھے ہیں جن میں کل ہند شاعرے بھی شامل ہیں۔ انہوں نے شکرزئی میموریل سوسائٹی کے مشاعروں میں بھی کلام سنایا ہے دارالسلام میں بھنے والے کئی ہندوختیہ مشاعروں میں بھی کو شر کثرت کرتے رہتے ہیں۔ حیدر آباد ریڈیو، حیدر آباد روردرشن کے علاوہ ای ٹی وی

کے مشاعروں میں ہی اپنا کلام سنانا چاہتے ہیں۔ محب کو قرضِ مال دینے سے بھی ایک کامیاب
 شاعر ہیں ادبی جلسوں میں بھی اپنے معلومات و آفرین خیالات سے مستفید
 کرتے رہتے ہیں بہت سے شاعروں کی طرح سیاست اخبار سے بھی ان
 کا دیرینہ رشتہ ہے سیاست میں ان کا کلام شائع ہوتا رہا ہے شہر کے
 دیگر اخباروں منصف، رہنمائے دکن اور عوام میں بھی ان کے کلام سے
 ہم محفوظ یاد رکھتے ہیں۔ جب کوثر زائد از ہم برسوں سے
 شعر کہہ رہے ہیں ابتداء ہی سے ان کے شاعرانہ تیور نے شعری محفلوں کو
 اپنی گرفت میں لے لیا ہے کلام تخت میں سنا دیتے ہیں اور چھا کر سناتے ہیں
 ان کے کلام کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا کلام کلاسیکی شعری اقدار کا ترجمان
 جوتے ہوئے بھی عصری مسائل سے قریب ہے۔ بلکہ ان کی اکثر غزلیں
 حالاتِ حاضرہ اور عصری مسائل کی بھرپور نشاندہی کرتی ہیں۔ معاشرہ کا ہر
 پہلو خاص طور پر جو عوام کی توجہ چاہتا ہے اُس پر ہر جہت سے شعر کہتے ہیں مگر
 کو مختلف اصنافِ سخن میں شعر کہنے کا ملکہ حامل ہے لیکن صنفِ غزل سے
 ان کا گہرا رشتہ ہے ان کے ہاں بعض معرکتہ الآرا غزلیں بھی ملتی ہیں جو
 ملک کے حالات کی بھرپور عکاسی کرتی ہیں۔ بے خوف اندر شاعر کی حیثیت
 سے اپنے خیالات کو بغیر کسی ذہنی تحفظات کے منظرِ عام پر لاتے ہیں۔ محب کوثر
 یکم اپریل ۱۹۳۹ء کو اپنے نخیالی قصبہ کو سکی تحفہ کوثر نگل ضلع محبوب نگر
 کے ایک متوسط گھرانے میں پیدا ہوئے ان کا آبائی وطن کوثر نگل ہے مگر
 محب کوثر کو وطنِ ثانی بنا لیا ہے ان کے والد حضرت خواجہ نظام الدین صاحب

یہاں سے وابستہ تھے جنھوں نے اپنے فرائض کی انجام دہی کے دوران آواز
 پر جام شہادت نوش کیا۔ محب کوثر کی ابتدائی تعلیم غازی پورہ کالج
 میں ہوئی۔ جماعت ہفتم تک مدرسہ وسطانیہ آصفیہ کالج گلبرگ میں
 زیر تعلیم رہے۔ ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں کے بعد گلبرگ چھوڑنا پڑا۔ مدرسہ توقانیہ
 کوڑنگل میں ان کے اساتذہ مولوی محمد عبدالرحیم دزد، مولوی محمد خواجہ نسیم
 مولوی سعید الدین سعیدی کی سرپرستی نے ان کے ذوق شعر کو جلا بخشتا اور دکن
 کے کہنے مشق استاد شاعر دامودرذکی ٹھاٹھ کے حلقہ تلامذہ میں شامل
 ہو گئے۔ پینڈت جی کے انتقال کے بعد حضرت ڈاکٹر علی احمد جلیلی کے تلامذہ
 میں شامل ہو گئے۔ کمپاؤنڈنگ میں ڈیلوما کر کے اکتوبر ۱۹۶۲ء میں کرناٹک
 کے محکمہ صحت و طبابت سے وابستہ رہ کر بحیثیت سینیئر فارماسسٹ
 وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے۔ ان کا کلام ۱۹۶۰ء سے ملک کے
 معیاری رسائل و جرائد میں شائع ہوتا رہا ہے ملک کے مختلف مقامات
 پر منعقد ہونے والے کئی ہندسہ لکھوں میں شرکت کر چکے اور کئی کئی ہندسہ لکھوں
 کی نظامت کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں کائنات دانش دانی گلبرگ کے شعبہ اردو سے
 بھی وابستہ رہے۔ ان کا پہلا شعری مجموعہ ایابغ تازہ ۱۹۸۹ء میں شائع
 ہوا۔ جن کو مغربی بنگال اردو اکادمی نے انعام سے نوازا ہے۔ گلبرگ کی
 کرناٹک پبلشرز اکادمی نے ان کی شعری و ادبی خدمات کے اعتراف میں اکتوبر
 ۱۹۸۹ء میں دو روزہ جشن محب کوثر منعقد کر کے گیارہ ہزار روپے کے
 کیسے زر سے نوازا۔ ان کا دوسرا مجموعہ کلام ”سودوزیاں“ اگست ۱۹۹۷ء
 میں شائع ہوا۔

محسن کمال

(معروف شاعر، ممتاز صحافی و مقرر، سیاسی قائد)

بھمنی، برید شاہی، آصف جاہی یا دشاہوں کی سرزمین بید رہ
 دور میں ہر اعتبار سے زرخیز رہی ہے اس سرزمین کے دانشوروں، باکمال
 شخصیتوں، ہر مندوں، شاعروں، ادیبوں، صحافیوں اور مختلف شعبہ
 زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگ ہر زمانے میں اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کے سبب
 اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبہ پر فائز رہے ہیں چاہے وہ مستند شیعہ کا سلسلہ ہو کہ
 قریش نشینی کا معاملہ۔ بعض لوگ اپنی منفرد پہچان کے ساتھ اپنے ناقابل فراموش
 کارناموں کی وجہ سے آبروئے سرزمین بید رہے ہیں۔ یا صلاحیت لوگوں
 کا تسلسل باقی تو ہے لیکن حالات کے لحاظ سے وہ کہیں کم اور کہیں زیادہ شہرت
 کے حامل رہے ہیں۔ علی و ادبی دنیا میں جو لوگ تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں ان میں
 ایک اہم نام محمود گادواں کا بھلہ ہے۔ بیدر کا سیاسی، ادبی و تہذیبی تاریخ بے شمار
 واقعات سے معمور ہے۔ عصر حاضر میں بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنے تاریخی ورثے

کے پاس بان بنے ہوئے ہیں۔ ایک نسل کے طور پر اپنی ذمہ داریوں اور
 صلاحیتوں کو بروئے کار لارہے ہیں۔ میں نے اپنی ہم سالہ شاعرانہ
 زندگی میں سرزمین بیدر کے نامور استاد شاعر رشید احمد رشید کے بعد رئیس اختر
 اور حسن کمال کی شاعرانہ اعلیٰ صلاحیتوں سے زیادہ واقف ہوں جنہوں نے
 اپنے فکر و خیال کی روشنی سے زائد از ۴۴ دہوں سے بیدر کے حوالے سے ادبی دنیا
 میں اپنی ایک مخصوص پہچان بنائی ہے۔ ان دونوں شاعروں کے بعد تین خاتون
 اہل قلم سے بھی میں واقف ہوں بلکہ ان کی شاعرانہ وادبیانہ صلاحیتوں کا
 معترف بھی۔ ایک تو ہیں ڈاکٹر شفیع قادری جنہوں نے اردو تحریک آزادی
 سے قبل کے موضوع پر پی ایچ ڈی کیے ڈاکٹر معنی تبسم کے زیر نگرانی تحقیقی
 مقالہ لکھا جس پر اہمیت عثمانیہ یونیورسٹی نے ڈاکٹر سید کی ڈگری سے نوازا۔
 دوسری شاعرہ رحمانہ بیگم ہیں جو الامین انتھامیہ کے ایک اسکول میں صدر معلم
 ہیں جن کا کلام پہلی کمر "۱۔ ۱۶۷ میں اور دوسرا مجموعہ کلام آنگن نہ آنگن پھول ۲۰۰۲ء
 شائع ہوا۔ ایک طالبہ فنساء ارم ہیں جو ایک انجمنی ہوئی افانہ نگار کی حیثیت
 سے ادبی دنیا میں جانی پہچانی جاتی ہیں جن کے افسانے زیادہ تر "خوشبو کا سفر"
 میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ رئیس اختر تو بین الاقوامی شہرت کے حامل شاعر ہیں
 جن کے تاحال تین شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ آئینہ دل
 اشکوں کے پھول اور روج دلی رختوں کا مجموعہ ۱۹۹۸ء میں شائع
 ہو چکے ہیں۔ رشید احمد رشید جامعہ عثمانیہ کے قابل فخر شاعر رہے ہیں۔ بیدر
 میں ان کے کئی ٹکڑے گر در رہے ہیں (اب بھی ہیں) رئیس اختر اور حسن کمال بھی ان

ہی کے متگرد ہیں۔ رشید احمد رشید جیات اور شاعری پر ڈاکٹر سینی حنفی ہاشمی
 نے بکر کو نیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کیا ہے بیدر میں شعر و ادب کی دنیا سے تعلق رکھنے
 والے اور سچی لوگ موجود ہیں۔ میں اپنی واقفیت کی بناء پر کہہ سکتا ہوں کہ حامد
 شمیم ایک اچھے نثر نگار اور مشہور قانون داں ہی نہیں بہترین مقرر بھی ہیں۔
 جناب نسیق مشہور ایڈوکیٹ ہیں کانگریس پارٹی سے تعلق رکھتے ہیں ایم ایل اے
 رہ چکے ہیں قیصر حسن سیاست آغار کے نامہ نگار ہیں اور بہترین کرسپانڈنٹ
 کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں کانگریس پارٹی کے قائد ہیں ایک بزرگ شخصیت
 ظہور الدین ایڈوکیٹ کی بھی ہے جو نہ صرف ایک نامور قانون داں ہیں بلکہ شعر و ادب
 سے دلچسپی رکھنے والی ممتاز شخصیت ہیں۔ حکیم
 حکیم حاذق ہونے کے علاوہ شعر و ادب خاص طور پر شاعری کی سرپرستی کرنے والوں
 میں اس سے زیادہ پیش پیش رہے۔ مقصود علی خان مرحوم ایم پی ہونے کے
 علاوہ سالار بیچلو کے مدبر رہ چکے ہیں ایک مشہور و معروف سائنسٹ ڈاکٹر
 کلیم انڈجو امریکہ میں مقیم تھے عالمی شہرت کی حامل شخصیت تھے اس طرح کے قابل
 لوگ اب بھی بیدر میں موجود ہوں گے جو بری نظروں سے اوجھل ہیں۔ ان شخصیتوں
 کے ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ سرزمین بیدر ہر دور میں علوم و فنون اور دیگر
 علمی و ادبی، سیاسی و تہذیبی سرگرمیوں کے لیے مشہور رہا ہے۔ حسن کمال کو
 میں زائد از ۴۰ برس سے جانتا ہوں۔ حیدر آباد میں کسی زمانے میں وہ دکن نیوز سے
 بھی وابستہ تھے حسن کمال نے مجھے بیدر کے کئی مشاعروں میں مدعو کیا تھا مشاعروں کی
 وساطت سے ہی ہم دونوں کے مراسم برپا ہوئے۔ حسن کمال شاعر سے ہی ایک نیا

رواں دواں شخصیت کے حامل ہیں وہ زندگی کے طول و عرض میں بے شمار تجربوں اور منت
 نئے حالات سے گزرتے رہے لیکن انہوں نے ارتقائی منازل طے کرنے میں کبھی
 سست لگائی سے کام نہیں لیا۔ خونِ رواں کی طرح وہ معاشرہ میں متحرک ہیں
 شاعر بھی ہیں، صحافی بھی، قائد بھی، صلاح کار بھی اور شعلہ بیان مقرر بھی ہیں۔ انہیں
 اپنے وطن سے، اپنی سرزمین سے بے حد محبت ہے اپنی شناخت، اپنی پہچان
 کے لئے انہوں نے شب و روز محنت کیا۔ جدوجہد کرتے رہے۔ ان کے میدان میں
 قدم رکھنا تو ہر ایک سیاسی پارٹی کے قائدین سے مراحم استوار کیئے۔ صحافی کی حیثیت
 سے سرگرم عمل رہے تو صحافتی دنیا کے سربراہوں سے اپنی رزم در راہ بڑھائی۔ شاید ہی
 نصفی کا کوئی ایسا شعبہ ہو گا جس سے ان کا تعلق نہ رہا ہو۔ محسن کمال سے میری طلاق
 صرف مشاعروں کے سلسلے میں ہی ہوتی رہی لیکن میں خاص طور پر ان کی شعری، ادبی و
 سیاسی مصروفیات سے واقف ہوں۔ محسن کمال بنیادی طور پر نظم کے شاعر ہیں
 لیکن انہوں نے بہت ہی عمدہ غزلیں بھی کہی ہیں۔ مناجات، حمد، نعتوں اور
 منقبتوں میں پورے عقیدت و احترام کے ساتھ ان کا قلم اٹھاتا ہے۔ محسن کمال
 کے حیدر آباد میں چاہنے والوں کی کثیر تعداد ہے جن میں شاعر بھی ہیں ادیب
 بھی ہیں، صحافی بھی ہیں اور سیاسی قائدین و کارکن بھی ہیں۔ محسن کمال کی ساری
 فہم کی جہد مسلسل کی آئینہ دار ہے۔ محسن کمال کا ۱۹۶۱ء تا ۱۹۶۶ء بمبئی میں قیام رہا
 ۱۹۶۶ء میں میدراپس ہوئے۔ ۱۹۶۸ء میں گادان اخبار نکالا۔ انگریزی میں
 BIDAR SPEAKER ویکی اخبار اور کنڑی میں روزنامہ گادان جاری کیا۔ ۱۹۷۶ء
 میں انہوں نے ایک پر منظوم کتاب اندراکات لکھی۔ ۱۹۷۷ء میں اردو میگزین ٹرننگ پلنٹ

قائم کیا۔ عوامی ادارہ اور گاوٹ اسٹیڈی سرکل کا قیام بھی محل میں لایا۔ ۱۹۸۲ء میں ضمنی انتخابات میں رکن اسمبلی بنے۔ ۱۹۹۲ء میں ایم اے ایف اے کئے۔ راجپوت گامی پیر ہمارا میسا منظوم کتاب لکھی۔ ۱۹۹۱ء میں حکومت کرناٹک نے راج اتسو ایئرڈ دیا۔ ۱۹۹۸ء میں اپنے استاد رشید احمد رشید کے کلام کو مرتب کر کے خم ایئرڈ کے نام سے ۱۹۸۳ء میں مشائخ کبیرہ شہر غزل بھی اشاعت پذیر ہوئی۔ عابد علی خان صاحب اور محبوب بن جگر صاحب سے بھی ان کے مراکم رہے ان کا سیکسی مسرودیات کا سیاست کے ذریعہ علم ہوتا رہتا ہے دیگر اخباروں منصف، رہنمائے دکن اور علوم میں بھی ان کی خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں حسن کمال یادداشت، خود دار، ہمارا دبا سردت انسان ہیں سرزمین بیدر کے ادبی و سیاسی وقار کو بڑھانے میں کلیدی رول ادا کرتے رہے ہیں۔ حسن کمال ایم ایل اے بھی رہے اور ایم ایل سی بھی۔ لیکن ان کے مزاج میں کوئی خاص سیکسی تبدیلی نہیں آئی۔ سیدھی سادگی زندگی گذرتے رہے۔

کبیسر جیسے جھلک مرض میں مبتلا ہیں زندگی اور موت کے کشمکش سے گزر رہے ہیں۔ کچھ جینے پہلے ان کے شعری مجموعہ "حرف حرف" کی اشاعت پر ایک بہت ہی عمدہ ادبی تقریب بیدریں ہوئی۔ کتاب کی رسم اجراء مدیر اخبار سیاست جناب زاہد علی خان نے انجام دی۔ اسی شب شعر ہوا جناب رئیس اختر نے صدارت کی راقم الحروف نے صبح روشن کر کے مشاعرہ کا آغاز کیا ان کی جلد از جلد صحت یابی کے لیے ہم دعاگو ہیں۔

حسن کمال سے میری بہت کم ملاقات رہی ہے لیکن ان سے زمینی رشتہ ہونے کی وجہ سے میں ان کی خاص طور پر سیکسی و ادبی سرگرمیوں سے باخبر رہا۔ حسن کمال مشاعروں میں اکثر دفعہ لطفیں سناتے ہیں جب الوطنی کے موضوع پر ان کا کلام پڑا تو اردار اور اعلیٰ کا آئینہ دار رہتا ہے

ڈاکٹر صغیر عالم

(نامور شاعرہ - صاحبہ سلویا دیہ - شائستہ خاتون)

میں نے اپنی ہم سالہ شاعرانہ زندگی میں بس ہی شاعرات کو دیکھا ہے
 اُن سے ملاقات نہ کی ہے۔ کلامِ شناعی، اُن سے گفتگو کی ہے، اُن کے ہمراہ مفسر
 کیا ہے، شہر کے، اضلاع کے اور ملک کے بعض مقامات پر منعقدہ مشاعروں میں
 شرکت کی ہے لیکن ادھر کچھ برسوں میں بہت کم شاعرات کو میں نے تہذیبی
 اقدار کی پاسداری کرنے والی پایا ہے (یہ بات میں ضرور اُن بعض شاعرات سے متعلق
 کہہ رہا ہوں جو کُل ہند مشاعروں میں شرکت کرتی ہیں اور صرف مشاعروں کی شاعر
 ہیں) میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ مشاعروں کی شاعرات اور رسائل اور کتابوں کی
 شاعرات میں واضح فرق ہے۔ میں نے ہمیشہ ایسی ہی شاعرات کو عزت و توقیر
 سے دیکھا ہے جو آبرو سے قلم و قسط اس رہا کرتی ہیں۔ عوامی مشاعروں کے مقابلے
 میں منتخب شعری محفلوں میں شرکت کرنا پسند کرتی ہیں، جو باجیا، مہذب و شائستہ
 ہیں جن کے دکھ رکھاؤ، آدابِ گفتگو سے یہ دریغ ہو تو ہے کہ درحقیقت واپس مشرقی

گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں۔ پڑھی لکھی، اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ معاشرہ میں اپنی امتیازی خصوصیات کے ساتھ جانی پہچانی جاتی ہیں۔ کاغذ و قلم کی رفاقت کو عزیز رکھتی ہیں۔ اچھی اچھی کتابیں ان کے زیرِ سطحوں پر ہوتی ہیں۔ ادبی رسائل میں اپنی تخلیقات پیش کرتی ہیں۔ اپنے نثری و شعری کتابوں کی اشاعت سے دلچسپی رکھتی ہیں۔ ادبِ محفل کا خیال رکھتی ہیں۔ اپنی نسوانیت سے اپنے باوقار و رشہ کا علامت بنی رہتی ہیں نظریں اٹھا کر کم اور آنکھیں جھکا کر زیادہ باتیں کرتی ہیں جن کا انداز گفتگو ادیبانہ و شاعرانہ ہوتا ہے جو علمی و ادبی موضوعات پر اظہارِ خیال کو اپنی گفتگو کا حاصل سمجھتی ہیں شاعروں کے جملکھٹوں سے دور رہا کرتی ہیں۔ البتہ اپنی ہم خیال شاعرات میں نے کچھ فائدہ انداز گفتگو کو بہتر سمجھتی ہیں۔ اس طرح کی بہت سی شائستہ و شگفتہ روایات اور اعلیٰ و ارفع طرزِ گفتگو کو پسند کرنے والی خاتونِ شعراء میں ڈاکٹرِ صخرِ عالم بھی ہیں جو ایک مہذب و باوقار شخصیت کا حامل ہیں جن کی زندگی کا ایک بڑا حصہ علمی و ادبی مصروفیات میں گزرتا رہتا ہے۔ ڈاکٹرِ صخرِ عالم کو میں تقریباً ۳۲، ۳۳ برسوں سے جانتا ہوں جن کے ساتھ میں نے بیشتن مشاعرے پڑھے ہیں جدو آہاد میں بھی کلر گر میں بھی اور ملک کے بعض دوسرے مقامات پر بھی۔ ڈاکٹرِ صخرِ عالم کے شوہر محترم عالم صاحبِ مشاعروں میں ان کے ساتھ رہتے ہیں جو نہایت جلیل الطبع و فصیح دار اور شریف النفس انسان ہیں شرقی تہذیب سے آراستہ اس شخصیت سے گفتگو کرنے پر عظمیٰ فرحت محسوس ہوتی ہے۔ ڈاکٹرِ صخرِ عالم تخت میں کلام سناتی ہیں اور مشاعرہ پڑھا جاتی ہیں۔ ان کے شعر پڑھنے کا انداز

متاثر کن ہو تلبے وہ نسوانی تہذیب کی اقدار کو ملحوظ رکھتے ہوئے شریک
 مشاعرہ رہتی ہیں اور اپنے بہترین کلام سے داد و تحسین حاصل کرتی ہیں۔ میں
 نے دورانِ مشاعرہ یہ بھی محسوس کیا ہے کہ تمام شعراء کے کلام الہیہ قدر کی نگاہوں
 سے دیکھتے ہیں۔ ان کے شاعرانہ انداز کو پسند کرتے ہیں جب وہ محفل میں آتی
 ہیں تو اپنے اندازِ نشست و برخاست اور اپنے ثقہ لباس سے محفل کو متوجہ
 کرتی ہیں۔ ڈاکٹر صفحہ عالم نے خاص طور پر گلبرگہ کے سب قابلِ فخر ولایتی تحسین
 خاتون شاعرہ ہیں۔ گزشتہ نینزدہوں سے سرزمینِ گلبرگہ کی نمائندگی کرنے والی شاعرہ
 مشاعرہ میں جمیع فن کی شاعری کے ابتدائی زمانے سے ہی پسندیدگی کا اعزاز حاصل ہو رہا
 ہے۔ علی و ادبی حلقوں میں ان کی شاعری اور شخصیت کی اہمیت کو محسوس کیا جا رہا ہے
 ڈاکٹر صفحہ عالم اگرچہ کرناٹک کے علاقہ سے تعلق رکھتی ہیں لیکن حیدرآباد دکن کی
 تہذیبی خوشبو ان کے جسم و جاں کو فہکار رہا ہے اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ گلبرگہ کے
 شہریوں پر علاقہ کرناٹک کی چھاپ موجود ہے۔ ڈاکٹر صاحبہ کے حیدرآباد میں بہت
 سے رشتہ دار موجود ہیں۔ جب وہ حیدرآباد آتی ہیں تو کبھی کبھی ملاقات ہو جاتی ہے
 فون پر بھی گفتگو رہتی ہے۔ ڈاکٹر صاحبہ کو میں نے منامہ دکن کے علاوہ یوسف اہم
 مشاعروں میں بھی مدعو کیا ہے "سیاست" اخبار میں ڈاکٹر صاحبہ کا کلام برسوں سے
 شائع ہو رہا ہے "خوشبو کا سفر" کے علاوہ انڈیا ک کے ادبی رسائل میں کلام شائع
 ہوتا رہا ہے۔ ڈاکٹر صاحبہ گلبرگہ اور اس کے قرب و جوار میں خاص خاص مشاعروں
 میں شرکت کرتی ہیں لیکن بہت کم۔ ڈاکٹر صاحبہ کے فہر کا ماحول خالص مشرقی ہے
 وہ قدیم تہذیبی روایات کی نہ صرف قدردانی ہیں بلکہ ان پر عمل پیرا بھی ہیں ڈاکٹر صاحبہ

کاپیٹل مجموعہ کلام حبیبہ صدف ۱۹۹۲ء میں حیدرآباد میں شائع ہوا۔ گلبرگہ میں
حبیبہ صدف کی رسم اجراء تقریب شاندار پیمانے پر چھوٹی تھی بین الریاستی مشاعرہ
کا بھی اہتمام کیا گیا تھا حیدرآباد سے راشد آفریں رئیس اختر اور میں نے شرکت کی
تھی حیدرآباد کی شاعرات میں معظمہ انسواء نازہ اور عزیزہ انسواء صبا ان کی اچھی خاصی
ملاقات ہے پروقیر حبیب ضیاء اور ڈاکٹر لائق صلاح سے بھی ان کے مراسم ہیں فصل
خواتین سے وابستہ شاعرات اور خاتون ادیبوں سے بھی ان کی صاحب سلامت
ہے۔ گلبرگہ میں ہونے والے مشاعروں میں ہیں زائد از ہم برسوں سے شرکت کر رہا
ہوں۔ میں نے اپنی ابتدائی شاعری کے زمانے میں حضرت عطا کلیانوی، سلیمان خلیل
عبدالرحیم آرزو، سرور مرزا، ڈاکٹر راہی قریبی، عابدی شاہ آبادی، محب کوثر اور
بندت داسودر ڈکی کے ساتھ گلبرگہ کے کئی مشاعرے پر حصہ لیا۔ خاص طور پر بیٹی الاوہ
میں ہونے والے سالارہ نعیمہ مشاعروں میں لازماً شرکت کیا کرتا تھا یہاں ان
مشاعرے کرام سے لازماً ملاقات رہتی تھی۔ روضہ خورشید کے مشاعروں میں بھی یہ شعراء
کرام شرکت کیا کرتے تھے رفتہ رفتہ گلبرگہ میں بھی قدیم طرز کے مشاعروں کی روایت ختم
ہوتی گئی۔ اب بھی جھوٹے بڑے مشاعرے ہوتے رہتے ہیں لیکن ان دنوں سادہ
مسک کے مشاعروں کی غیبت ہی بدل گئی ہے اس وقت گلبرگہ میں محب کوثر
حاند اگل، ڈاکٹر صغرا عالم، وقار ریاض اور دیگر شعراء، شعری وادبی خدمات انجام
دے رہے ہیں۔ سرزمین بندہ نواز گلبرگہ ڈاکٹر صغرا عالم کا وطن ہے
ان کے والدین مذہبی خیالات کے ہندو و شائستہ انسان تھے صغرا عالم کو بچپن
سے ہی اردو شعر وادب سے دلچسپی رہی۔ ڈاکٹر صاحبہ کے ناخالص تین شعری مجموعے

حیطہ صدف (۶۱۹۹۰)۔ بیت الحروف (۶۱۹۹۵) عقب بچان ۶۱۹۹۷
 میں شائع ہوئے ہیں کف میزان (نہصرے) زیر اشاعت ہے دو کتابیں
 حراب دعا (حمد اور نعتوں کا مجموعہ) اور عنوان مروضہ پر ایک کتاب زیر تزیین
 ہے ایک اور کتاب حنا غزل (شعری مجموعہ) زیر اشاعت ہے جس میں ۷۸۶
 اشعار ۹۲ غزلیات شامل ہیں پروقیعہ عنوان حبشی حیات اور کارنامے
 کے زیر عنوان تحقیقی مقالہ پیش کر کے آگے ہمارے یونیورسٹی منظر پر سے ۶۱۹۹۵
 میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ شعری و ادبی خدمات پر مختلف ادبی اداروں،
 تعلیمی شعبوں سے زائد از دس انعامات مل چکے ہیں۔ دہر دانش حیدر آباد سے بھی
 ڈاکٹر صاحبہ کا کلام ٹیلی کاسٹ ہوا ہے بعض کئی ہندسہ سہ ہجری میں ڈاکٹر صاحبہ نے
 شرکت کی تھی وہ نیشنل پروگرام میں پیش کیے گئے شعبہ درس و تدریس سے وابستہ
 ہیں۔ ۶۱۹۹۹ میں انہیں جج بیت اللہ کی سعادت حاصل ہوئی۔ اس وقت
 گلبرگ کی ہی نہیں ریاست کرناٹک کی سب سے اہم شہر کی حیثیت سے اپنی
 مکمل شہرانہ پہچان کے ساتھ شعری و ادبی خدمات انجام دے رہی ہیں۔

پروفیسر فہیم احمد صدیقی

جید آباد دکن کے مقبول شاعر کا قبل استاد (دو)

حکومت ہند کی معاندانہ پالیسی سے لسانی بنیاد پر ریاستوں کی تقسیم تو عمل میں آئی لیکن اس تقسیم کے سبب جید آباد دکن ٹانگ اور جید آباد مہاراشٹر کے اضلاع، تعلقات و کموضعات کے بہت سے خاندان بکھر گئے۔ جید آباد کی تہذیبی شناخت اور سیاسی وحدت کو ختم کرنے کی غرض سے ریاستوں کی تنظیم جدید عمل میں آئی۔ ان کی تہذیب، ان کے کلچر میں بھی فرق آگیا نئی نسل تو نئے ماحول میں ڈھل گئی لیکن اس کے باوجود جن کی تہذیبی جڑیں مضبوط ہیں انہوں نے اس لسانی تہذیبی کو قبول نہ کیا مگر اپنے رسم و رواج، اپنے رکھ رکھاؤ اور اپنی وضع داری و طرح داری کو بچائے رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ ریاستوں کی لسانی تقسیم کے بعد بھی جید آباد دکن کے اضلاع اور ٹانگ آباد، پیر پٹی، نانڈیڑ، کلیر گڑ، بیدر وغیرہ میں رہنے والے لوگ جید آباد دکن کی تہذیبی روایات کو نہیں چھوڑا بلکہ ان کے بزرگوں کا جو تعلق ریاست جید آباد دکن کی تہذیب و کلچر سے

نہا اس کو برقرار رکھا۔ آج بھی ان اضلاع میں بہت سے گھرانے ایسے ہیں جو
 حیدرآباد دکن کی خوشبو سے ہلکے رہتے ہیں۔ مختلف شعبے حیات سے
 تعلق رکھنے والے لوگ حالات کے تقاضوں اور وقت کے چیلنج کو قبول کرتے
 ہوئے نئی تہذیب کا ایک حصہ بن گئے ہیں لیکن پرانی تہذیبی اقدار کو اب
 بھی سینے سے لگائے رکھتے ہیں۔ ہمارا مقصد ہے کہ ان اضلاع کے اس دور
 میں رہنے والے لوگوں کا رہن سہن حیدرآباد دکن کی روایات سے جڑا ہوا
 ہے۔ عوامی زندگی میں حیدرآباد دکن سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے اپنے آپ کو
 نسماحول میں ڈھال لیا ہے اور ان کی ذاتی اور نجی زندگی میں اس نئی تبدیلی
 کا بہت کم اثر ہوا ہے۔ ایسے اضلاع جو حیدرآباد دکن کے اہم اضلاع تھے
 ان میں ایک ضلع نانڈیڈو بھی ہے جو لسانی تقسیم کے زمانے میں آگرہ ہمارا اثر حکومت
 کا ایک حصہ بن گیا ہے اردو تہذیب اور معاشرہ سے وابستہ نانڈیڈو کے
 لوگوں خاص طور پر ان لوگوں سے جو اردو زبان، اردو شعر و ادب سے
 رشتہ رکھتے ہیں میری رسم دراز ہے جن میں سے ایک مقبول شاعر پروفیسر
 فہیم احمد صدیقی بھی ہیں جن کی شاعرانہ قدردانیت ملک کے اردو حلقوں
 میں یکدم برائی حاصل کر چکی ہے۔ فہیم احمد صدیقی نانڈیڈو کے شہری ہیں مگر فروری
 ۱۹۶۸ء کو پیدا ہوئے۔ مولانا محمد عمر صدیقی اظہر جالندھوی کے فرزند دل بند
 ہیں۔ ایم اے۔ بی ایڈ کی سند رکھتے ہیں فخر و ح سلطان پوری کی شاعری پر
 پی ایچ ڈی کے لیے مقالہ لکھ رہے ہیں۔ پرتھوی نکیٹن کالج نانڈیڈو کے صدر ہیں
 شعور اردو ہیں۔ حیرت میں بورڈ آف اسٹڈیز اردو ہیں۔ سوامی رامانند

نیرتھ یونیورسٹی ٹائڈیر کی ایکڈمک کونسل کے رکن ہیں۔ رکن ہمارا شرط
 ایسٹ اردو ایکڈمی بھی ہیں۔ جزل سکریٹری اردو ایکڈمی ٹائڈیر
 ہونے کے علاوہ جو اہر ایجوکیشن سوسائٹی، سرسید کالج اورنگ آباد
 کے رکن عالمہ ہیں۔ ۱۹۶۸ء سے شعر کہہ رہے ہیں "نقش دوام" کے
 نام سے ایک مجموعہ کلام شائع ہو چکا ہے۔ "وارفتہ" کے نام سے ایک
 مجموعہ کلام زیر اشاعت ہے آل انڈیا ریڈیو ٹائڈیر، ممبئی، اورنگ
 آباد سے ان کا کلام نشر ہوتا رہتا ہے دور درشن کے مشاعرے بھی
 پڑھ چکے ہیں حیدر آباد، ممبئی، برہان پور، ناگیور، علی گڑھ، شولالپور
 پونا وغیرہ کے کل ہند متاعروں میں کلام سنا چکے ہیں۔ طالب علمی کے زمانے
 سے ہی فہیم احمد صدیقی کو اردو شعر و ادب سے دلچسپی ہے اردو ماحول میں
 تربیت یافتہ اس شاعر کو اپنی شعری و ادبی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے
 مواقع ملتے رہے۔ ٹائڈیر کے مقبول ترین شاعروں میں ان کا شمار
 ہوتا ہے۔ ٹائڈیر میں محمود عشقی بھی ایک کہنہ مشق شاعر ہیں جو کچھ برسوں
 سے طوالت عمر اور ناسازی مزاج کی وجہ سے شاعروں میں شرکت نہیں
 کر رہے ہیں۔ فہیم احمد صدیقی سے میری پہلی ملاقات نظام آباد کے ایک
 مشاعرے میں ہوئی تھی جس کے داعی نظام آباد کے ممتاز شاعر، مدیر ماہنامہ
 "گوخ" جمیل نظام آبادی تھے۔ جمیل نظام آبادی سے ان کے گہرے دوستانہ
 مراسم ہیں نظام آباد کے اکثر متاعروں میں مدعو رہتے ہیں فہیم احمد صدیقی
 کی حیدر آباد کے ایک نامور شاعر، بیس اختر سے بھی دوستی ہے مجھ سے

ملاقات ہونے سے پہلے رئیس اختر سے فہیم احمد صدیقی کے مراسم ہیں۔
 فہیم احمد صدیقی نانڈ بیڑ کے نمائندہ شاعر تو ہیں ہی ہیں لیکن ملک کے تمام
 مشاعروں میں جہاں جہاں انہوں نے کلام سنایا ہو گا یقیناً داد و تحسین
 سے نوازے گئے ہوں گے۔ میں نے انہیں نانڈ بیڑ کے مشاعرہ کے علاوہ
 نظم آباد اور حیدر آباد کے بعض مشاعروں میں سُننے سے پُر اثر ترغیب کلام
 سناتے ہیں ان کی شاعری دل کو چھونے والی ہوتی ہے اُن کی اچھی شاعری
 پیر ترغیب نگینہ کا کام کرتا ہے۔ شاعر دوست ہیں، دوستی کی قدر و قیمت کا
 انہیں پوری طرح اندازہ ہے اس لیے اُن کے دوستوں میں بہت سے اچھے
 اچھے نامور اہل قلم شامل ہیں فہیم احمد صدیقی ایک حرکیاتی شخصیت کے مالک
 ہیں۔ زبان و ادب کی ترقی و ترویج میں مصروف رہتے ہیں۔ ادبی جلسوں
 اور مشاعروں کے انعقاد میں شخصی دُشپی لیتے ہیں۔ نانڈ بیڑ میں کل ہند اسس
 پر ہونے والے مشاعروں میں کلیدی رول ادا کرتے ہیں نانڈ بیڑ کا ایک با اثر
 شخصیت ہیں ان کی شاعرانہ عظمت و رفعت سمعہ شاعرہ میں انہیں ایک اہم
 مقام عطا کیا ہے۔ اردو تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں حتیٰ
 انتہائی خلقِ مخفی نرسی انسان ہیں ان کی طبیعت میں انگاری کے ساتھ خود دار
 بھی ہے۔ انہیں اپنی شاعرانہ ہجاء کا احساس ہے اپنی شاعرانہ حیثیت
 کو برقرار رکھنے میں نساہلی سے کام نہیں لیتے۔ فہیم احمد صدیقی نوجوان قلم کاروں
 کی حوصلہ افزائی کرتے رہتے ہیں پیر بھی کے شاعروں اور وہاں کے ادبی و
 شعری ماحول سے دُشپی رکھتے ہیں۔ فہیم احمد صدیقی ادبی رسالوں کے بھی شاعر ہیں

لیکن اپنے کلام کی اشاعت میں کم دلچسپی لیتے ہیں کبھی کبھی خوشبو کا مسفر میں ان کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے اخبار سیاست میں بھی ان کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے فہیم احمد صدیقی میرے پسندیدہ شاعر ہیں اس لیے میری ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ وہ حیدرآباد کے کل ہند شاعروں کے علاوہ بعض اہم شاعروں میں شریک رہیں۔ کل ہند مجلس اتحاد المسلمین کے زیر اہتمام منعقدہ کل ہند نعتیہ شاعرہ کے لیے بھی میں انہیں مدعو کرتا رہا جبکہ میں ان شاعروں کا معتمد تھا دارالسلام کے سالانہ کل ہند نعتیہ شاعروں میں اضلاع کے نمائندہ شاعروں کی شمولیت میری معتمدی کے زمانے سے ہی ہونے لگی۔ فہیم احمد صدیقی شاعرہ دکن کے سالانہ شاعروں میں شریک رہے ہیں جو کہ میں زیر سرپرستی کونڈا لکشن یا پوجی سائی ریاستی وزیر اطلاعات مشاعرہ دکن کا فائونڈر سکریٹری تھا اضلاع کے تقریباً ۳۰ منتخب شاعروں کو مدعو کیا جاتا تھا شاعروں میں پر بھنی، اورنگ آباد اور نانڈیڈی کے شاعر بھی مدعو رہتے تھے حال ہی میں جشن گوکٹڈہ سوسائٹی کے مشاعرہ میں انہوں نے شرکت کی تھی اپنے بہترین اور پُر اثر ترنم سے اس محفل پر چھا گئے تھے۔ فہیم احمد صدیقی ایک یار یا شاد دوست نواز، دوستی کے قابل انسان ہیں اگرچہ فہیم احمد صدیقی نانڈیڈی میں سکونت پذیر ہیں لیکن ان کی گفتگو، ان کے رہن نگاہیں اور ان کے شاعرانہ تربیت یافتہ مزاج سے پتہ چلتا ہے کہ وہ حیدرآبادی ہیں۔ ان کے لب و لہجہ میں اپنا بیٹا رہتی ہے خالصانہ روپے کے شاعر دلنواز ہیں۔ نہایت

سادہ مزاج، شگفتہ طبیعت، منکسر المزاج، اعلیٰ ظرفی، باکردار شخصیت
 کے حامل ہیں۔ فہیم احمد صدیقی کا دور حاضر کے شاعروں میں ایک اہم مقام
 ہے۔ جدید شاعری کی نگاہ سے انہیں کلاسیکی شاعری کا ایک اہم
 شاعر مانتا ہوں۔ ان کے کلام میں کلاسیکی شاعری کے وہ تمام جوہر
 ملیں گے جو سامع وقاری کے ذہن و فکر کو چمکاتے ہیں اگر منتظین مشاعرہ
 کے فہیم احمد صدیقی سے اچھے سراہم ہیں تو انہیں شاعروں میں مدعو کرنے کے
 لیے خوش آمد کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی صرف ایک ٹیلی فون کافی ہے وعدہ
 کے پابند شاعر ہیں۔ مخصوص شاعرانہ عادات سے میرا میں ان کا شاعرانہ مرنہ
 بے داغ ہے شعری ادب میں جو کچھ بھی مقام انہوں نے پایا ہے اس میں کسی اور
 کی ہر باتوں کا دخل نہیں ہے اپنی ذاتی صلاحیتوں سے اس مرتبہ پر پہنچ گئے
 ہیں۔ خوش مزاجی، شائستگی اور عمدہ اخلاق کی وجہ سے ادبی حلقوں میں قدر
 کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔ اگرچہ فہیم احمد صدیقی سے میری ملاقات کم
 کم رہی ہے لیکن ان کی پُراثر شخصیت نے کم کم ملاقات میں ہی مجھے اپنے طرف
 متوجہ کر لیا ہے حیدرآباد کے شاعروں میں رئیس اختر ان کے بہت ہی قریبی
 دوست ہیں۔ ان کی مقبولیت کو دوبالا کرنے میں ان کی شاعری کے ساتھ ساتھ حاضر
 میں ان کی مقبّر شہری کی حیثیت کو بھی بڑا دخل ہے جو لوگ اپنی نجی زندگی میں کامیاب
 رہتے ہیں وہ اپنی سوسائٹی میں بھی نیک نام رہتے ہیں فہیم احمد صدیقی مجھے یقین ہے کہ اپنے
 سراہم کی بنیاد پر زبان و ادب کیلئے بہت سے سرکاری و غیر سرکاری لوگوں سے کام لیتے
 رہیں گے اردو زبان کی بقا و کھیلے فہیم احمد صدیقی جیسے سرگرم عمل شخصیتوں کی خاص طور پر آج
 کے دور میں بے حد ضرورت ہے۔

سلیم عابدی

(نوش گلو، بہترین شاعر، نامور ناظم مشاعرہ، خلیق انسان)

یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ حیدر آباد کے شاعروں کے مقابلے میں
اضلاع کے شاعروں کی قدر نہیں کی جاتی۔ فن کار فن کار ہوتا ہے جس کو
شہر اور اضلاع کے خانوں میں بانٹا نہیں جاسکتا۔ اچھا فن کار جہاں کہیں
بھی ہو وہ اپنے فن کا جوہر دکھالے۔ اضلاع میں بھی نامور شاعر، اس قدر فن
اور قابلِ قدر دانشور موجود ہیں یہ اور بات ہے کہ وہ اس کی کمی کی وجہ سے
وہ شہر کے شاعروں کے مقابلے میں نسبتاً مشہور نہیں ہیں۔ اضلاع کے شاعروں
میں بعض ایسے باملا جیت شاعر موجود ہیں جن کا حیدر آباد کے صفِ اول کے
شاعروں میں شمار کیا جاسکتا ہے اگر شہر سے تمام باختر دانشوران شعرواد
کھلے دل و دماغ سے کام لیں تو شہر اور ضلع کی تحفیں ختم ہو سکتی ہے لیکن اس
کو کیا کہیے کہ بعض اہم ادبی مواقع پر بھی اضلاع کے شاعر نظر انداز

کہتے جاتے ہیں۔ اس کے باوجود شہر کے سربراہان محفلِ شعر و ادب میں کچھ ایسی
 شخصیتیں موجود ہیں جو اضلاع کے شاعروں کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں
 اور جب کبھی موقع ملے انھیں شہر کے بڑے بڑے مشاعروں اور اہم اہم علمی
 ادبی تقاریب میں مدعو کرتے ہیں۔ جہاں تک شہر کے اہم مشاعروں میں گزشتہ
 کچھ برسوں سے اضلاع کے شاعروں کو مدعو کرنے کا سوال ہے میں ہمیشہ پیش
 پیش رہا ہوں۔ ادھر کچھ برسوں پہلے تک حیدر آباد کے بڑے مشاعروں میں
 اضلاع کے مشاعروں کو ہیئت کم مدعو کیا جاتا تھا لیکن میں نے کل ہند مجلسِ اتحادِ اہلین
 کے سالانہ کل ہند نعتیہ مشاعروں میں اضلاع کے ممتاز مشاعروں کو مدعو کرنے
 کی روایت ڈالی ہے چنانچہ جتنے برس میں معتمدِ مشاعرہ رہا اضلاع کے تقریباً
 دس شاعروں کو مدعو کیا کرتا تھا۔ شہر کے بعض اہم مشاعروں میں میں مدعو کیا کرتا
 ہوں۔ میں نے مشاعرہ دکن کی بنیاد رکھی۔ چھ سال تک سالانہ مشاعرے ہوتے
 رہے جس میں اضلاع آندھرا پرنش اور اضلاع حیدر آباد کے تقریباً ۳۰ شاعروں
 کو مدعو کیا جاتا تھا میں اس مشاعرہ کا بانی جنرل سکریٹری تھا۔ یہ مشاعرے حیدر آباد
 کی گنگا جحی تہذیب کے قدر شناس کوئٹہ انکسپن باجوہ سابق ریاستی وزیر
 محکمہ اطلاعات کی زیر نگرانی جسٹس ساگر کے کنوارے بنفام جلا در شہم سپریم
 ہی ایٹم کے ساتھ منعقد ہونے لگے جس کی صدارت سابق گورنر آندھرا پرنش
 جناب کرشن کانت کے علاوہ جناب عابد علی خان صاحب بدیر روزنامہ
 سیدہ سید عبدالغنی صدائے سخن نرئی اردو اور تلگو کے نامیہ شاعر

ڈاکٹر سی مارائن ریڈی جیسی نامور شخصیتوں نے کی شعراء کو ان کی خدمت کے اعتراف میں مومنٹو پیش کیے جلتے تھے۔ اضلاع کے بعض شاعروں کو ادبی ٹرسٹ اور شنکری میموریل سوسائٹی کے مشاعروں میں مدعو کیا جاتا رہا ہے۔ یہاں شہر کے علمی شعری و ادبی ادارے اور انجمنیں زبان و ادب کی خدمات انجام دے رہے ہیں وہیں بعض اضلاع کے ادارے اور انجمنیں بھی سرگرم عمل ہیں۔ — سلیم عابدی زائد از ۴۰ برسوں سے شعری و ادبی دنیا میں اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کا احساس دلارہے ہیں۔ سلیم عابدی یکم جولائی ۱۹۴۱ء میں محبوب نگر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم محبوب نگر میں ہوئی۔ ۱۹۸۰ء میں جامعہ عثمانیہ سے اُردو میں ایم کیا۔ کمپوٹی ہلٹ آفیسر گز بیٹھنے کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے ان کا دکن میں شائع ہو چکی ہیں اعلیٰ اولیٰ سوز عشق ۱۹۸۰ء اور شعری مجموعہ متاع سخن ۱۹۹۵ء ہیں۔ سلیم عابدی کو عالم محترم شیخ عبداللہ بن شیخ کبیر حسن شاعر سلیم عابدی نے کئی سال تک تعلیم دے رکھی ہے۔ اب خود وہ ملک بھر کے کل ہند مشاعروں میں شرکت کر رہے ہیں۔ یہ محقق ہیں، محبوب نگری بعض فعال شعری و ادبی انجمنوں سے وابستہ ہیں۔ سلیم عابدی کو اسناد سخن ڈاکٹر علی احمد جلیلی سے تلمذ حاصل ہے۔ ڈاکٹر علی احمد جلیلی کے قبول شاگردوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ سلیم عابدی کو ۱۵ زائد از ۲۰ برسوں سے جانتا ہوں۔ بیسیوں مشاعرے ہم دونوں نے ساتھ ساتھ پڑھے ہیں سلیم عابدی بہت ہی اچھے شعر کہتے ہیں ان کی غزلیں ان کے منفرد پیراشر قلم کی وجہ سے دو آتشہ ہو جاتی ہیں۔ سلیم عابدی پورے اعتماد کے ساتھ شعر سننا کر داد و تحسین کاٹل کرتے ہیں۔ یہاں بخشی

ہمیشہ نثر میں کلام سنانے ہوئے رکھا ہے شاید ہی کبھی غجی تحت میں بھی کلام
سنانے ہوں۔ لیکن ان کی پہچان منظم شاعر کی حیثیت سے ہے سلیم عابدی
سلیم بطحہ، خوش اخلاق، پھر خلوص، فحوش مزاج اور زندہ دل انسان ہیں
ان سے ملاقات کیجئے تو اندازہ ہوگا کہ ہم ایک بارغ و بہار شجاعت سے ہم کلام میں
بہت اچھے موڈ میں گفتگو کرتے ہیں۔ ان کی طبیعت میں مزاج بھی ہے دوران
گفتگو جسق مزاجیہ جملوں سے ماحول کو کچھ ہی دیر میں خوشگوار بنا دیتے ہیں
ان کا ہلکا ہلک کر بات کرنا، کبھی بھل کر اور کبھی برہنہ ویہ ساختہ ان
کا گفتگو کرنا مخاطب کو متاثر کرتا ہے۔ سلیم عابدی نہایت دل و دماغ کے انسان
ہیں۔ ان کا دل آئینہ کا طرح عاقل ہے ان کا ظاہر و باطن یکساں ہے چونکہ بہت
خود وہ ایک بھلے اور نیک انسان ہیں اس لیے وہ ہمیشہ دوسروں کی بھلائی
اور ان کی بہتری کے لیے سوچتے رہتے ہیں۔ شاعر سیرادری سے ہٹ کر ہمارے
کے شرف و بھروسے سے خلق رکھنے والے ہو گئے ہیں ان کی صاحب سلامت ہے۔
سلیم عابدی کے مزاج کا یہ ساختہ ہے ان کی فطرت کا ایک اہم وصف ہے حیدر آباد
کے تمام ادبی حلقے ان کے نام اور ان کی ادبی مصروفیات سے واقف ہیں۔ ان کی
شاعرانہ صلاحیتوں کی قدر کرتے ہیں۔ سلیم عابدی ہر شاعر کے لیے کامیاب رہتے
ہیں۔ اپنے بہترین شعر کے ساتھ ساتھ اپنے منفرد و متاثر کن نثر کے سبب
ہمارے مشن سے پر چھا جاتے ہیں سلیم عابدی محبوب نگر کی محضوی پہچان بن
گئے ہیں۔ سب ادبی شعروں میں ان کا شمار ہوتا ہے سلیم عابدی ایک
کامیاب ناظم شاعر بھی ہیں باضوئی خوب نگر میں ہونے والے شاعروں کے

ماہم شاعرہ رہتے ہیں سلیم عابدی کا رکھنا کچھ اس طرح کا ہے کہ وہ ضلع کے شاعر
 معلوم نہیں ہوتے۔ ان کا کلام روزنامہ سیاست کے علاوہ خوشیو کا سفر میں
 شائع ہوتا رہتا ہے ریڈیو اور دور درشن کے ذریعہ بھی ان کا کلام ہم تک
 پہنچ جاتا ہے۔ سلیم عابدی نے دور درشن کیندر کے علاوہ کل ہند سطح کے
 مشاعروں میں بھی کلام سنایا ہے اردو زبان و ادب کے اہم خدمت گداروں میں
 انہیں شہرت حاصل ہے کچھ عرصہ تک اردو اکیڈمی آندھرا پردیش کے پی آر او
 رہی رہے سلیم عابدی کے دوستوں کا ایک بیڑا حلقہ ہے جس میں معاشرہ کی ہر سطح
 کے لوگ موجود ہیں۔ سلیم عابدی سے اضلاع کے مشاعروں میں لازماً ملاقات ہو جاتی
 ہے شہر کے بھق مشاعروں میں بھی وہ مدعو رہتے ہیں۔ ہزاروں سامعین کی موجودگی
 میں جم کر شعر سناتے ہیں وہ ایک حاکس شاعر ہیں مشاعروں میں منتخب شعر ہی
 سناتے ہیں انہیں زیادہ شعر سنانا پسند نہیں ہے جب سلیم عابدی شعر سناتے ہیں
 تو سارے سامعین ہمہ تن گوش ہو جاتے ہیں اور پوری نوجوانی کے ساتھ ان کے
 کلام سے غلوٹا ہونے لگتی ہیں۔ بعض پیشہ ور شاعروں کے طرز عمل سے وہ بے حد
 ناگاہاں ہیں انہیں وہ شاعر زیادہ پسند ہیں جو کتابوں اور رسالوں کی دنیا کے شاعر
 نہیں جانتے ہیں۔ سلیم عابدی جیسے دوستوں سے مل کر خوشی ہوتی ہے ذہنی تھکن
 دور ہو جاتی ہے اس شخص میں غرور، گھنڈ جیسی کوئی چیز نہیں ہے ہر موقع پر
 اپنی اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیتے ہیں۔ مشاعروں میں آداب شاعرہ کا خیال رکھتے
 ہیں۔ اپنے شاعر دوستوں سے کھل کر ملنے ہیں اور بلا تفریق سلسلہ گفتگو جاری
 رکھتے ہیں کم آمیزیاں نہیں پسند نہیں۔ ہمیشہ اجاب میں بھرے رہتے ہیں۔ ان کا

دائرہ احباب محدود نہیں ہے۔ اپنی ہم سالہ شاعرانہ زندگی میں انہیں بے شمار
 شاعروں کے ساتھ مل کر بے پڑھنے کا موقع ملا۔ لیکن کچھ ہی شاعر ایسے ہیں
 جو ان کے ہم خیال ہیں دوستی اور مراسم کے نازک فرق سے وہ واقف ہیں مثلاً
 ہیں وقت کی پایندہ نگار ہیں۔ وعدہ کے پایندہ رہا کرتے ہیں، جھوٹا دعا
 مکر دریا سے کوسوں دور ہیں۔ ان کی ساری زندگی آئینہ مثال ہے خوش نظری
 خوش مزاجی اور خوش دلی ان کے شاعرانہ وصف ہیں۔ ان کے کلام میں
 کلاسیکی شعری ادب کی گہری چھاپ ملتی ہے وہ کلاسیکی اقدار اور
 مہذب معاشرہ سے بہت قریب رہا کرتے ہیں۔ مجھے سلیم عابدی کی ہر ادا
 پسند ہے ان کی والہانہ وابستگی بھی پسند ہے۔ میں انہیں اپنے قریب
 خصوصاً کرتا ہوں۔

جمیل نظام آبادی

(اضلاع کے شاعروں کے میر کاواں نامور شاعر و صافی)

جہد رباد کی شعری و ادبی تازخ میں اضلاع کے شاعروں کو ایک مرکز پر جمع کرنے کا سہرا جمیل نظام آبادی کے سر جاتا ہے جمیل نظام آبادی نے یکساں ایک بامقصد و یادگار رسالہ گونج کے ذریعہ کیا ہے جو زیادہ تر اضلاع کے شاعروں کی تخلیقات کی اشاعت کے لیے مختص ہے۔ جمیل نظام آبادی یہ یادگار خدمت زائد از ۳۰ سال سے کر رہے ہیں۔ جہد رباد میں اور اضلاع آندھرا پردیش میں کوئی ادبی رسالہ ایسا نہیں ہے جو اضلاع کے شاعروں کی مکمل نمائندگی کرتا ہو۔ جمیل نظام آبادی ایک تجربہ کار صحافی ہونے کے علاوہ ایک منفرد شاعر بھی ہیں جو زائد از تین دہیوں سے شعر کہہ رہے ہیں مشاعروں کی دنیا میں مشاعروں کے آرگنائزر کی حیثیت سے بھی کافی شہرت رکھتے ہیں، ۳۲، ۳۳ برس سے نظام آباد کی شعری و ادبی فضا پر چھائے ہوئے ہیں مشاعرے ہوں

کہ ادبی تقاریب وہ پوری دلچسپی کے ساتھ مصروف ہو جاتے ہیں زبان و ادب کی بے لوث خدمت انجام دے رہے ہیں آج سے ۳۴ برس پہلے نظام آباد کے نامور شاعر مرزا وحید بیگ ایڈووکیٹ نے بھی بہت سے مشاعرے منعقد کیے ہیں۔ مرزا صاحب کسی زمانے میں صدر وقف بورڈ بھی تھے مشاعروں کے انعقاد میں وہ کافی دلچسپی لیتے رہے۔ ان کے بعد نظام آباد میں سب سے زیادہ متحرک، فعال شخصیت صرف جمیل نظام آباد کی ہے بہ الفاظ دیگر اپنے آپ کو وہ اردو دنیا، اردو تہذیب اور اردو جلسوں اور مشاعروں کے انعقاد کے سلسلے میں وقف کر چکے ہیں۔ چاہے وہ سرکاری مشاعرے ہوں کہ غیر سرکاری جمیل نظام آبادی کے بغیر مشاعروں کے کامیاب انصرام کے بارے میں سوچا ہی نہیں جاسکتا۔ جہاں تک اضلاع کے نمائندہ شاعروں کا ذکر آتا ہے وہاں اضلاع کے شاعروں کی اولین فہرست میں جمیل نظام آبادی کا نام بھی نمایاں نظر آئے گا۔ نظام آباد میں ایک اور کہنہ مشق شاعر اور کامیاب ناظم مشاعرہ تنویر واحدی ہیں جو اکثر ادبی تقاریب اور مشاعروں کے انعقاد کے سلسلے میں جمیل نظام آبادی کے بہترین معاون رہا کرتے ہیں۔ جن کا کچھ برس پہلے مجموعہ کلام شائع ہو چکا ہے آج بھی نظام آباد کے کچھ نوجوان شاعروں و ادیبوں کی شعری و ادبی دلچسپیوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نظام آباد کی شعری و ادبی سرگرمیوں کی روایات باقی ہیں۔ جمیل صاحب اردو کے مسائل پر اپنے ہم خیال رفقاء کے ساتھ حکومت سے نمائندگی کرتے رہتے ہیں نظام آباد کی علمی و ادبی فضا میں جمیل نظام آبادی

پنی نیک نامی کی وجہ سے شہرت رکھتے ہیں جمیل صاحب کی دعوت پر میں نے
نظام آباد میں بیسیوں مشاعرے پڑھے ہیں تمام شاعروں کے ساتھ ان کے
دوستانہ اور منہانہ مراسم ہیں جمیل نظام آبادی ایک اصول پسند و وعدہ کے
پابند اپنی بات پر قائم رہنے والے انسان ہیں اپن اور دیانت دارانان
ہیں۔ یہاں شعراء کے قیام و طعام کا معقول انتظام کرنے کے علاوہ شعراء کے
معاوضہ کے سلسلے میں بھی محتاط روی کے باوجود فراخ دل واقع ہوئے ہیں۔
جمیل نظام آبادی ملک کے بہت سے علاقوں میں مشاعرے پڑھ چکے ہیں حیدرآباد
اور اضلاع کے مشاعروں میں خصوصیت کے ساتھ مدعو کیے جانے ہیں۔ مشاعروں
کی اعلیٰ روایات کے پاسدار ہیں احساسِ ذمہ داری کے ساتھ مشاعروں کا اہتمام کرتے
ہیں۔ نظام آباد کے ایک معتبر و باوقار شہری ہیں نظام آباد کے معزز شخصیتوں میں
ان کا شمار ہوتا ہے وہاں کے لوگ ان سے علمی و ادبی تعاون کے علاوہ فلاحی و ملی
کاموں میں بھی مدد لیتے ہیں لوگ ان پر بھروسہ کرتے ہیں ان کی خدمات کی دل و
جان سے قدر کرتے ہیں کوئی مسئلہ تصفیہ طلب ہو یا تعاون کا خواہاں ہو تو وہ ذمہ داری
کے ساتھ وابتہ ہو جاتے ہیں جمیل نظام آبادی کی زندگی مسلسل کد و کاوش اور
محنت شاف کی نگر جان بنی ہوئی ہے۔ جمیل نظام آبادی سے میر اشعارانہ رشتہ
بہت پُرانی ہے اب بھی رشتہ خلوص میں پوری دیانت داری کے ساتھ بندھے
ہوئے ہیں جمیل صاحب نظام آباد میں جب بھی کوئی مشاعرہ برپا کرنا چاہتے ہیں تو مجھے
لاذماً اس مشاعرہ میں مدعو کرتے ہیں اور اکثر و بیشتر مشاعروں میں حیدرآباد کے
شاعروں کو مدعو کرنے کی ذمہ داری مجھے سونپتے ہیں میرے منتخب کردہ شعراء ذریعہ

کارشاعروں میں شرکت کرنے ہیں۔ ملک کے کئی نامور شاعروں نے نظام آباد کے
 مشاعروں میں شرکت کی ہے میں خود بھی زائد از ۳۰ برسوں سے نظام آباد کے
 مشاعروں میں شرکت کر رہا ہوں۔ یودھن میں بھی من شعروں کی ایک تاریخ ہے
 نظام آباد کے تعلقوں میں یودھن ہی ایک ایسا تعلقہ ہے جہاں بے شمار مشاعروں
 کی روایت ہے یودھن کے بھی کئی مشاعروں میں میں نے شرکت کی ہے نظام آباد میں
 کلکٹر نظام آباد مسٹر جوہری کے زمانے میں ایک تاریخ کی کل ہند مشاعرہ ہوا تھا جس
 میں نظام آباد کے نمائندہ شاعروں کے علاوہ شمار بارہ بنکوی نے بھی شرکت کی تھی نظام
 نظام آباد کے ٹاؤن ہال میں برسوں ہوتے رہے لیکن اب مختلف مقامات پر
 ہوا کرتے ہیں جمیل نظام آبادی تحت میں کلام سنتے ہیں اور مشاعروں پر چھا جاتے
 ہیں۔ حیدر آباد کے مشاعروں میں بھی جمیل نظام آبادی کی خاطر خواہ پذیرائی کی جاتی
 ہے جمیل نظام آبادی گذشتہ کچھ برسوں سے ادارہ سباست اور ادب ٹرسٹ کے
 تعاون سے ادارہ گونج کے زیر اہتمام ہر سال اضلاع کے شاعروں کا نمائندہ مشاعرہ
 منعقد کرتے ہیں یہ مشاعرے بھی نظام آباد میں ہوتے ہیں اور کبھی حیدر آباد میں۔
 میں نے زیر سرپرستی مجاہد اداؤ کوئٹہ انکسٹن سابق وزیر اطلاعات، ریاست حیدر آباد
 دکن کے اضلاع سے تعلق رکھنے والے اضلاع آندھرا پردیش سے واسطہ رکھنے والے
 شاعروں کے مشاعروں کے لیے ”مشاعرہ دکن“ کی بنیاد ڈالی چھ سال تک پیشہ ور
 نہایت پابندی کے ساتھ اعلیٰ پیمانے پر جلد در شرم ساحل حسین ساگر پر
 ہوتے رہے۔ مشاعروں کے تمام اخراجات کی تکمیل کوئٹہ انکسٹن بالوچی اپنے طور پر
 کرنے تھے میرے معاونین میں رئیس اختر، ”نہال سنگھ ورما“ مومن

خان شوق تھے۔ شہر کے نمائندہ شاعر بھی اس مشاعرے میں کلام سناتے تھے شعراء کی خدمت میں لازماً مونسو پیش کیے جاتے تھے گورنر کرشن کانت کے علاوہ نواب شاہ عالم خان، عابد علی خان اور ڈاکٹر سی نارائن ریڈی، جیسٹس سردار علی خان ڈاکٹر سید عبدالمنان نے بھی مشاعرہ کی صدارت کی ہے۔ جمیل نظام آبادی صرف شاعر ہی نہیں ہیں ایک اچھے نثر نگار بھی ہیں ان کی نثری صلاحیتوں کا اظہار گوہر گنج کے اداروں میں ہوتا ہے گوہر گنج کے بعض ادارے ہمایوت اہم ہیں جمیل نظام آبادی کا کلام آل انڈیا ریڈیو کے کئی برسوں سے نشر ہو رہا ہے دور درشن سے بھی ان کا کلام ٹیلی کارٹ ہوتا ہے اخبار سیاست کے علاوہ اردو کے ادبی رسائل سب اس خوشبو کا سفر میں ان کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے جمیل نظام آبادی یکم جنوری ۱۹۴۹ء کو نظام آباد میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم نظام آباد میں ہوئی۔ میسوریو نیورسٹی سے ۱۹۹۱ء میں اردو میں ایم اے کیا۔ اردو اکیڈمی لائبریری کے برانچ مینجر ہیں تاحال ان کے تین شعری مجموعے سنگتے خواب (۱۹۷۸ء) تجدید آرزو (۱۹۸۵ء) اور صبر جمیل (۱۹۹۳ء) شائع ہو چکے ہیں وہ اوائل عمر ہی سے شعر کہتے ہیں لیکن ۱۹۷۰ء سے شعر و ادب کی دنیا میں شہرت پانے لگے۔ جناب سنی صدیقی سے انہیں شرفِ تلمذ رہا ہے ۱۹۷۳ء سے ہفتہ وار گوہر جاری کیا جو بعد میں ماہنامہ میں تبدیل ہو گیا۔ دائرہ ادب کے جرنل سکریٹری ہیں کئی ادبی ایوارڈز و اعزازات مل چکے ہیں۔ جمیل نظام آبادی کی شاعری کا رشتہ کلاسیکی شعری ادب سے ہے لیکن ان کے شعر عصری حسیت کے بھی نریمان ہیں ان کا شاعرانہ لب و لہجہ متاثر کرتا ہے اردو کے مقبول شاعروں میں اپنا ایک اچھا خاصا مقام

رکھتے ہیں حیدرآباد کے تقریباً تمام ادبی حلقوں کے سربراہوں سے اُن کی ملاقات
 ہے ادارہ سیاست سے بھی اُن کے دبیرینہ روابط ہیں حیدرآباد میں
 مشاعروں میں جمیل نظام آبادی کی دل کھول کر پزیرائی کی جاتی ہے حیدرآباد
 کے ایک فعال ادارہ ادارہ سوغات نظر کی جانب سے ان کے فکرو فن کو
 خراج پیش کیا جا چکا ہے۔ جمیل نظام آبادی میرے بہت قریب ترین
 دوستوں میں سے ایک ہیں۔ ہمارا رشتہ دوستی الٹوٹ ہے انتہا والد ہمارا
 خلوص اسی طرح باقی رہے گا

نادر اسلوبی

(زودگو۔ کہنہ مشق نامور شاعر)

ہماری ریاست کے شاعروں میں جس شاعر کا کلام ملک کے ادبی و
 نیم ادبی رسالوں میں سب سے زیادہ شائع ہوتا ہے وہ نادر اسلوبی ہیں۔
 ویسے ہمارے ادبی حلقوں میں کچھ اور شاعر بھی ملیں گے جن کا کلام ادبی رسائل
 میں شائع ہوتا رہتا ہے لیکن ان میں نادر اسلوبی کو اولیت حاصل ہے ہمارے
 ہاں دو طرح کے شاعر ہیں کچھ شاعر ادبی رسائل میں اپنے کلام کی اشاعت کے سبب
 شہرت رکھتے ہیں اور کچھ مشاعروں کی وساطت سے۔ لیکن مشاعروں کے
 شاعروں کے مقابلے میں رسائل میں چھپنے والے شاعروں کی اہمیت بڑھ جاتی
 ہے۔ بعض شاعر ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا کلام کسی بھی رسالے میں دکھائی
 نہیں دیتا برفلاف اس کے وہ مشاعروں کے ذریعہ سے اردو دنیا میں مشہور ہیں
 بعض ایسے بھی شاعر ہیں جو مشاعرے بھی پڑھتے ہیں اور رسائل میں بھی چھپتے
 ہیں۔ نادر اسلوبی ایک زودگو شاعر ہیں اس کے باوجود ان کا صرف ایک مجموعہ کلام

شائع ہوا ہے ان کا مجموعہ کلام نوک قلم ۶۲۰۲ میں شائع ہوا۔ ان کے ہاں بہت سا اور کلام موجود ہے اگر وہ دلچسپی لیں تو کچھ اور مجموعے شائع ہو سکتے ہیں ان کا "غلی نام" نادر اسلوبی ہے اور اصلی نام غلام علی شاہ قادری۔ والد کا نام احمد علی شاہ قادری کلہ ہے ۱۵ اگست ۱۹۳۰ء کو حیدر آباد میں پیدا ہوئے محلہ گھانسی بازار ہے (حیدر آباد) میں ان کا آبائی مکان ہے نادر اسلوبی اگرچہ حیدر آبادی ہیں لیکن انہوں نے اپنے کاروبار کی وجہ سے ورنگل کو اپنا وطن ثانی بنالیا ہے جہاں یہ تجارت کرتے ہیں اصلاً کے کہنے مشرقی شاعروں میں ان کا شمار ہوتا ہے تقریباً ۴۰-۵۰ برس سے شعر کہہ رہے ہیں انہیں استاد سخن طالب رزاقی صاحب سے شرفِ تلمذ حاصل رہا ہے غزل کے رسیا ہیں زیادہ غزلیں ہی کہتے ہیں قطعاً نظمیں بھی ان کے ہاں ملتے ہیں نادر اسلوبی کی شاعری بنیادی طور پر کلاسیکی ہے لیکن وہ جدید اسلوب میں بھی شعر کہتے ہیں جدت طرائف میں نئے نئے قافیوں میں شعر کہنے کا شوق ہے نئے نئے لفظوں سے اپنے اشعار میں تنوع پیدا کرتے ہیں نہایت ملتسار، مخلص خوش اخلاق انسان ہیں۔ ان کا مخصوص لباس شیروانی ہے ان کی شیروانیاں عام لوگوں کی شیروانیوں کے مقابلہ میں اپنی رازمی قدر کے لئے شہرت رکھتی ہیں ڈھیلی ڈھالی شیروانی پہننا پسند کرتے ہیں خصوصاً کلر کی شیروانیاں انہیں پسند ہیں شاعرانہ مزاج رکھتے ہیں زبان و ادب سے کافی دلچسپی ہے عارف سخنری زبان میں گفتگو کرتے ہیں ان کے زیرِ ملاحظہ کتابیں بھی زیادہ رہتی ہیں مذہبی علوم سے بھی انھیں شغف ہے نادر اسلوبی کے ہاں عقیدت میں ڈوبی ہوئی نعتیں اور منقبتیں بھی ملتی ہیں۔ شاعر نے پڑھنے کے شوقین ہیں پرانے شہر کے اکثر

مشاعروں میں کلام سناتے ہیں ادارہ میرا شہر میرے لوگ، سوغاتِ نظر، خورشید احمد جانی میموبائل ایڈیٹری اور ریم جوہر کے مشاعروں میں بھی مدعو رہتے ہیں ممتاز شاعر مومن خان شوق اور کلیم قریشی ان کے استاد بھائی ہیں مومن خان شوق نے بھی اپنے ابتدائی کلام پر طالب رزاقی صاحب سے اصلاح لی۔ میں نے نادر اسلوبی کو پیپا لیس ہوٹل میں ہی طالب رزاقی صاحب کے ساتھ کئی بار دیکھا ہے طالب رزاقی صاحب کے اکثر شاگرد ان سے ملاقات کرنے اور اپنا کلام پر اصلاح کے لیے پیپا لیس ہوٹل آنے تھے طالب صاحب اکثر شاگردوں کے کلام کی اسی وقت اصلاح کرتے تھے۔ فی الفور کلام کی تصحیح بھی جاتی تھی نادر اسلوبی کو اعلیٰ کے مشاعروں میں بھی مدعو کیا جاتا ہے لیکن وہ انہیں مشاعروں میں شرکت کرتے ہیں جہاں انہیں شرکت کرنا پسند ہے ورنہ نکل کی تقریباً تمام انجمنوں کے زیرِ اہتمام منعقدہ مشاعروں میں کلام سناتے ہیں ورنہ نکل کے سینئر شاعروں میں ان کا شمار ہوتا ہے ورنہ نکل میں ان کے معاصر شاعروں میں اقبال شنیدائی، انور حیات، مرزا مسعود مختار اور تاج معطر بھی شامل ہیں نادر اسلوبی جب روم آباد کی طرح ورنہ نکل کے ادبی حلقوں میں بھی احترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں عزیز نزاری اور شریف آدمی ہیں ورنہ داریاد عروج داری ان کے مزارع سے ہم آہنگ۔ یہ احباب کی کثرت کے باوجود اپنے مخصوص احباب سے زیادہ قربت رکھتے ہیں ہندوستان کے تقریباً تمام ادبی رسالوں میں ان کا کلام شائع ہوتا رہا ہے ادبی رسالوں میں ہی انہیں تیم ادبی رسالوں میں بھی ان کا کلام شائع ہوتا ہے ادارہ سوغاتِ نظر کی جانب سے ان کے فکر و فن کا جائزہ اجلاس رکھا گیا تھا جس میں ان کی شاعرانہ قدر و وقعت کو

بھر پور خراج پیش کیا گیا جیدر باد کے بعض اہم و فعال انجمنوں کے مشاعروں میں
 بھی یہاں خصوصی حیثیت سے شرکت کرتے رہتے ہیں۔ نادرا سلوٹی سے میرے
 شاعرانہ مراسم تقریباً ۳۵، ۵۳ برس سے ہیں نہایت پُر خلوص انسان ہیں
 مزاج میں کچھ زیادہ ہی انکساری ہے بہت زیادہ چھینے والے شاعر کی حیثیت
 سے مشہور ہیں لیکن انہوں نے کبھی بھی اس بات پر فخر نہیں کیا۔ ان میں
 خود نمائی قطعی نہیں ہے جو ایک اچھے انسان کی روشن علامت ہے نادرا
 اسلوبی نخت اللفظ میں کلام سناتے ہیں اُن کے کلام سنانے کا انداز پُر اثر
 ہوتا ہے بہت عمدہ شعر کہتے ہیں بھی وجہ ہے کہ ہر سال میں ان کا کلام
 فی انقور شائع ہوتا رہتا ہے نادرا سلوٹی کا کلام برسوں سے سیاست میں شائع
 ہوتا رہا۔ اب بھی کبھی کبھی شائع ہوتا ہے منصف اور رہنمائے دکن ہیں مگر ان
 کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے جیدر باد کے تقریباً تمام شاعروں سے وہ واقف
 ہیں اُن کا کلام آل انڈیا ریڈیو سے بھی نشر ہوتا رہتا ہے دور درشن کے انجن
 پیر گرام میں بھی انہوں نے کلام سنایا ہے جیدر باد کے بعض کل ہند شاعروں
 میں کلام سنا چکے ہیں میری ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ جیدر باد کے کل ہند
 مشاعروں میں اضلاع کے نمائندہ شاعروں کی بھی نمائندگی ہوئی رہے۔ بعض
 مشاعروں میں میری کوشش کامیاب رہی ہے جیدر باد میں کل ہند مجلس اتحاد الملیں
 کے کل ہند نعتیہ مشاعروں میں اضلاع کے منتخب شاعروں کو مدعو کرنے کا سلسلہ
 میری معتمد محنت سے زلمے سے شروع ہوا۔ دارالسلام کے کل ہند نعتیہ
 مشاعروں میں اضلاع کے ۸، ۱۰ شعراء شرکت کرنے میں مجلس کے سالانہ نعتیہ

مشاعروں کے علاوہ بعض بڑے ادبی مقالوں میں بھی میں نے اضلاع کے شاعروں کو مدعو کیا ہے عموماً سلیم عابدی، جمیل نظام آبادی وغیرہ کے مشاعروں میں اضلاع کے دیگر شاعروں کے مقابلے میں زیادہ شریک رہتے ہیں ویسے یہ دونوں شاعر بہترین شاعر ہونے کے علاوہ گزشتہ ۴۰ برس سے شعری و ادبی انجمنوں کے ذریعہ اردو زبان و ادب کی خدمت انجام دیتے آ رہے ہیں نادر اسٹوبی و رنگل کی کئی انجمنوں سے وابستہ ہیں لیکن وہ اپنی تجارتی مصروفیات کی وجہ سے انجمن سازی اور محفلوں کے آراستہ کرنے کے لیے وقت نہیں دے سکتے۔ مگر و رنگل کی تمام ادبی انجمنوں کے سربراہوں اور ارکان سے ان کی بہترین رسم و راہ ہے جیسا کہ آباد کے ادبی رسالوں میں سب سے خوشبو کا سفر ہے ان کا کلام شائع ہونا نہایت ہی زورگوئی کے باوجود انہوں نے اپنی شاعری کے سجاو کو گرنے نہیں دیا۔ مجھے یہ کہتے ہوئے بے حد خوشی ہوتی ہے کہ نادر اسٹوبی نہ صرف اضلاع کے شاعروں میں مقبول ہیں بلکہ حیدرآباد کے شاعروں میں بھی پسند کیے جاتے ہیں مجھ سے اور میرے ہم خیال شاعروں سے ان کے خوش گوار روابط ہیں۔ تجھے پورا یقین ہے کہ ہمارے خوشگوار مراکم اسی آب و تاب کے ساتھ باقی رہیں گے۔

رشید جاوید

غریب پروردگار دیندار انسان، معاشرہ کا خدمت گزار

اپنا غم اپنا ہی ہوتا ہے۔ اپنی مسرتیں اپنی ہی ہوتی ہیں۔ انسان اپنی زندگی کی نشوونما اور اس کی بہتری کے لیے کیا کچھ نہیں کرتا۔ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کو اس کی محنت کا پھل ملے۔ اس کی صلاحیتوں کا اعتراف کیا جائے۔ اس کے اعمالِ حسنہ کو خراج پیش کیا جاتا ہے۔ معاشرہ میں اس کی خاطر خواہ پذیرائی ہو سب کی نگاہوں کا مرکز بن رہے۔ موسم بہاراں میں بھی یاد کیا جاتا ہے اور موسم خزاں میں بھی۔ اگر کوئی انسان صرف سُکھ کا ساتھی ہے تو دکھ کا کیا ہوگا۔ ادب، نیچ، نشیب و فراز، دھوپ چھاؤں سے مانوس انسان اپنی زندگی کے لیے ایک ایسا لائحہ عمل تیار کر لیتا ہے جو اس کی سوچ و فکر کے دائرہ میں محصور رہتا ہے اس کا ہر عمل سوسائٹی میں قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ اس کی زندگی کا ایک ایک پل اپنے لیے بھی ہوتا ہے اور دوسروں کے لیے بھی۔ جو لوگ اپنی زندگی کو دو حصوں میں نہٹ

دیتے ہیں وہ اپنے لیے بھی جیتے ہیں اور دوسروں کے لیے بھی۔ وہ زندگی کی
 راحتوں اور حیات کی تلخیوں کی آمیزش سے سرگرم عمل لیتے ہیں اور صبح کمت
 ہیں اپنی زندگی کا سفر جاری رکھتے ہیں۔ آر۔ ٹی۔ سی ملازمین کے فائڈالامین
 تعلیمی اداروں سے وابستہ احساس ذمہ داری کے ساتھ سرگرم عمل رہنے والی
 شخصیت اور معاشرہ کے وہ تمام لوگ جو زندگی کے نرسنئے مسائل میں گھرے
 رہتے ہیں ان کی بھلائی کے بارے میں غور کرنے والے رشید جاوید ان تمام لوگوں
 کے بھی دل و نگاہ میں ہیں جو مختلف مسائل میں الجھے ہوئے رہتے ہیں رشید جاوید
 میرے بھائی ہیں ان سے میرا رشتہ ہی کچھ ایسا ہے کہ ان کی اعلیٰ خصوصیات و
 صفات کے تذکرہ پر قلم چلتے چلتے رک جاتا ہے پھر بھی ان کی خوبیوں کا تذکرہ
 کرنا میری ضمیر کی تسکین کے لیے ضروری ہے۔ اس نفسا نفسی کے زلزلے
 میں بھی بہت سے ایسے گھرنے نہیں گئے جہاں کا ہر فرد آپس میں بیرونی شکر کی طرح رہتا
 ہے ایک دوسرے کے دکھ دکھ میں برابر کا شریک رہتا ہے ایک دوسرے کی ضرورت
 کو محسوس کرتا ہے ایسا گھرنہ یہ چاہتا ہے کہ اس سے وابستہ ہر فرد اپنے بہترین مستقل
 کی آبیاری کے لیے سرگرم رہے۔ خود میں اپنے قدم پر کھڑے رہنے کی صلاحیت
 پیدا کرتے۔ حتیٰ الامکان کسی سہاگے کا غلط فہمی نہ رہے۔ اپنے طور پر اپنی زندگی کے
 خدوخال میں رنگ بھرتا رہے۔ اپنے خاندان میں کچھ اس طرح ہے کہ ہر فرد خاندان
 اس کی خوبیوں، اس کی نیکیوں اور اس کے عمدہ ادارگی مثال دیتا رہے۔ مثالاً
 گھرنے کے لوگ اپنے گھر کے تحفظ، اس کی ترقی کے لیے ایک دوسرے کے تعاون
 سے بھی مشترکہ ذمہ داری کو محسوس کرنے ہوئے ہر فرد خاندان کی بہتری کے لیے دلچسپی

ہیں تو بات ہی کچھ اور ہو جاتی ہے ہم نے ایسے خاندان بھی دیکھے ہیں جہاں آخر انفری
 کا ماحول رہتا ہے ہر شخص اپنے آپ میں گم رہتا ہے خود غرق، مطلب سیرتی اور صرف
 اپنی بھلائی کے لیے اپنی ساری توانائیاں صرف کرتا ہے اس طرح کا منفی عمل اچھے
 خاصے خاندانوں، سنگھ موسے کنبوں اور قابل مثال قبیلوں میں درار پیدا کرتے ہیں
 سبب بنتا ہے اپنے خاندان کے لیے رشید جاوید منیت طرز حیات اور روشن
 فکر و خیال کے حامل سربراہ ہیں وہ اپنے خاندان کے تمام لوگوں کی ترقی اور ان کی بہتری زندگی
 کے لیے وقف ہو چکے ہیں رشید جاوید پیر و فیروز جلیل تنویر اور عید الفدیر کے
 بڑے بھائی ہیں انہوں نے اپنے بھائیوں کی دیکھ بھال اور تعلیم و تربیت میں کوئی کسر
 باقی نہیں رکھی۔ گھر کے ہر فرد کی دل و جان سے خدمت کرتے رہتے ہیں نہ صرف اپنے
 گھر کا حال تک ہی ان کی خدمات لائق تائید اور قابل تقلید نہیں بلکہ اپنے عزیز و
 اقارب کے لیے بھی انہوں نے وہ سب کچھ کیا جو ان کے بس میں ہے اپنے دوستوں
 اپنے احباب اور اپنے مشناساؤں سے بھی ان کا سلوک پسندیدہ رہا کرتا ہے ان کی
 ہر ممکنہ مدد کے لیے ہمیشہ وہ تیار رہتے ہیں بلا تخصیص مذہب و ملت نہایت کے
 علمبردار ہیں عمدہ خصائل، اعلیٰ ظرفی اور جذبہ خدمت و علق نے انہیں بہت زیادہ
 مقبول بنا دیا ہے رشید جاوید اپنے محکمہ (R.T.C) کے ٹریڈ یونیون لیڈر تھے اب بھی
 ان کی سرپرستی ملازمین اور ملازمین کی لواحقین کو حاصل ہے اگرچہ کہ وہ اپنی خدمت
 سے ریٹائر ہو چکے ہیں لیکن ان کے جذبہ خدمت میں کوئی کمی نہیں آئی۔ محکمہ کرنی کی تعلیمی و
 ادبی تنظیموں، اداروں اور اجتماعوں سے آج بھی وہ وابستہ ہیں لیکن نسبتاً
 اپنا زیادہ وقت تعلیمی اداروں والین کے انتظامیہ کے لیے دیتے ہیں رشید جاوید کا

خاندان پولیس ایکشن کی سفاکانہ ضرب سے محفوظ نہ رہ سکا۔ تعلقہ ہمتیاد میں
 محمد نذیر خان بازار میں ان کا آبائی مکان تھا ان کے والد ماجد محمد قاسم تاجر تھے
 رشید جاوید کے تھیٹل میں کچھ لوگ تجارت پیشہ تھے اور کچھ ملازم سرکار۔ ان کے
 نانا عبدالحمید ایک اسکول کے صدر مدرس تھے ان کے حقیقی ماموں میں کچھ تجارت
 پیشہ بھی ہیں کچھ محکمہ تعلیم سے وابستہ رہے۔ ان کے ایک ماموں عبداللہ ام ریزرو بینک
 آف انڈیا میں آفیسر تھے جو ریٹائر ہو چکے ہیں مشہور شاعر علی الدین نوید اور وقار
 رباعی ان کے خالہ زاد بھائی ہیں رشید جاوید میری حقیقی ماموں زاد بہن کے بیٹے
 ہیں لیکن ہم اس طرح رہتے ہیں کہ رشتہ کی پاسداری برقرار رہتی ہے میں رشید جاوید
 کو اپنے حقیقی بھائیوں کی طرح چاہتا ہوں رشید جاوید نے اپنی ذاتی شرافت
 ایمانداری اور محنت نشاہ سے معاشرہ میں ادنیٰ مقام بنا لیا ہے بلکہ گھر کے مختلف
 شعبہ جات سے تعلق رکھنے والی خاص طور پر مشہور شخصیتیں رشید جاوید کے نام اور
 کام سے واقف ہیں۔ رشید جاوید کو اردو زبان اور شعر و ادب سے کافی دلچسپی
 ہے لیکن وہ اپنا زیادہ تر وقت خدمتِ خلق کے لیے دیتے ہیں۔ اہل غرض ان کے
 پاس بلا تعین وقت آتے ہیں لاہران کا ہر مکہ مدد کرنے میں ضرورت مندوں کی
 مشکلات میں کام آتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ رشید جاوید اپنی نجی زندگی سب سے نیاز ہیں
 گھر کی تمام ذمہ داریوں کو بخوبی نبھاتے ہیں۔ میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ رشید جاوید کو ان
 کے گھر کے تمام لوگ بے حد چاہتے ہیں ان کی مصروفیات میں غفلتیں ہوتی ہیں بلکہ ضرورت
 مندوں کا ہاتھ بٹانے میں صدر خاندان ہونے کی حیثیت سے تمام بھائیوں اور
 بھینسوں اور خاندان کے لیے سامان بنے ہوئے ہیں۔ رشتوں کی پاسداری کرنے میں

اپنے بہترین سلوک سے لوگوں کے دل میں اپنا گھر بنا چکے ہیں۔ مختلط طریقہ زندگی کے قائل ہیں۔ باوجود زندگی گزار رہے ہیں معاشروں میں قدر و منزلت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ نہ تو کسی سے اختلاف رکھتے ہیں اور نہ کسی کو شکایت کا موقع دیتے ہیں۔ رشید جاوید کی تعلیم و فلاحی مصروفیات کے بارے میں جب امتیازی حیثیت سے ذکر آتا ہے تو مجھے بے حد خوشی ہوتی ہے۔ میری دلی خواہش ہے کہ رشید جاوید تاجات پیر سکون انداز میں زندگی گزاریں۔

ڈاکٹر رزاق اثر

(شاہ آباد کے نامور شاعر۔ مخلص انسان)

جہاں تک میری معلومات ہیں ان ہم برسوں میں شاہ آباد (گلبرگر) کے شاعروں میں صاحبزادہ آبادی کے بعد رزاق اثر کا نام نمایاں ہے۔ دلیہ شاہ آباد میں اور کچھ شاعر ہیں لیکن ایک ایسا شاعر جو ادبی رسائل کے ذریعہ پہچانا جاتا ہے وہ رزاق اثر ہی ہیں۔ رزاق اثر، صاحبزادہ آبادی کے واحد شہرت یافتہ شاگرد ہیں چاہے آندھرا پردیش کے اضلاع ہوں کہ حیدرآباد دکن کے اضلاع۔ یوں تو تقریباً ہر ضلع میں کچھ شاعر ایسے رہے ہیں جو اپنے ضلع کا نام روشن کیے ہوئے ہیں جن کے نام سے ہی اُس مقام و علاقہ کی شہرت شعر و ادب کی دنیا میں موندی ہے صاحبزادہ آبادی کا شمار تو اس تازہ کسفن میں تھا۔ رزاق اثر ایک سینئر شاعر ہیں ان کے بھائی نلامہ ہوں گے جن سے میں واقف نہیں ہوں۔ رزاق اثر کو میں تقریباً ۳۰ برس سے جانتا ہوں ان سے گلبرگر اور بیواکھان کے بہت سے شاعروں میں ملاقات ہوئی رہی ہے

رزاقہ اشتر علاقہ کرنا لگا کے تمامندہ شاعروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ادبی
 رسائل میں ان کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے۔ اجمالاً یہ بات ہے کہ ان کا
 کلام کئی برسوں سے شائع ہو رہا ہے رزاق اشتر مختلف اصنافِ سخن میں
 شہرہ کھاتے ہیں ان کے پاس غزلوں کے ساتھ ساتھ نظموں کا بھی بیڑا سراپا ہے
 ان کے ہاں موضوعاتی نقطہیں بھی کافی تعداد میں ملتی ہیں نعتیہ کلام بھی ان کی
 بیاضوں میں محفوظ ہے۔ رزاق اشتر شاعری کی نئی اصناف میں بھی طبع آزمائی
 کرتے رہتے ہیں لیکن جو بات ان کی غزل میں ہے وہ دوسری اصنافِ سخن
 میں نہیں ملتی۔ ان کا نعتیہ کلام پورے عقیدت و احترام کے ساتھ دل و دماغ کو
 معطر کرتا رہتا ہے۔ رسائل اشتر خاص طور پر حالاتِ حاضرہ سے تعلق رکھتے ہیں
 جو پیر اشتر ہوتے ہیں رزاق اشتر جدید رنگ میں بھی شعر کہتے ہیں لیکن غزل
 کی محنت میں وہ دیگر اصنافِ سخن سے بھی اس لیے رشتہ رکھتے ہیں کہ کسی نہ
 کسی طرح شاعری کی متنوع وسعت کا اندازہ دلانے رہیں۔ رزاق اشتر
 صاحبِ تخت میں کلام سناتے ہیں میں نے شاعروں میں ایسی تخت میں کلام
 سناتے ہوئے ہی دیکھا ہے بہت ممکن ہے نئی محفلوں میں ترنم میں کلام
 سناتے ہوں یہ بات میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ میں نے انہیں گنگنانے ہوئے
 بھی دیکھا ہے رزاق اشتر صاحب کا مطالعہ صرف کلاسیکی شعری ادب تک
 محدود نہیں ہے طہری شاعری کے رسوم و نکات سے بھی واقف ہیں اور اس
 بات سے بھی واقف ہیں کہ شاعری میں کس طرح تجربے کیے جاتے ہیں
 ان تجربات سے وہ خود بھی گزر رہے ہیں اس لیے کہ ان کے ہاں قطعاً

رباعیات کے ساتھ ساتھ ترائیلے اور دیگر اضاف میں بھی شعر ملتے ہیں لیکن ان کی شاعرانہ صلاحیت کا اظہار صرف ان کاغزلوں اور نظمیں میں ہوتا ہے سیاست میں ان کی بیشتر غزلوں کے ساتھ ساتھ نظمیں بھی شائع ہوئی ہیں ان کا کلام چونکہ قابل اعتناء رہتا تھا اس لیے سیاست میں مسلسل جگہ پاتا رہا۔ افسانے کے بیشتر شاعروں کا کلام میری نظر سے گزرتا تھا ان شاعروں میں رزاق اشرف کا کلام بھی زیادہ متوجہ کرتا تھا مہتما مہ خوشبو کا سفر میں ان کا کلام خصوصی موقف کے ساتھ شائع ہوتا ہے۔ ڈاکٹر رزاق اشرف کا وطن شاہ آباد ہے ۲۲ جولائی ۱۹۳۷ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۹ء سے شعر کہتے ہیں گزشتہ ۳۰ برسوں سے ماہناموں، روزناموں اور سہفتہ وار اخبارات میں ان کا کلام شائع ہوتا رہا ہے۔ ۳۰ برسوں سے آل انڈیا ریڈیو گلبرگہ سے ان کا کلام نشر ہو رہا ہے ان کا مجموعہ کلام ”بسمِ شرف“ کے نام سے ۱۹۹۰ء میں شائع ہوا اینٹاؤن کرناٹک اردو اکیڈمی۔ دوسرا مجموعہ کلام ”سفر و سنگ“ ۱۹۹۶ء میں منظر عام پر آیا۔ نعتیہ کلام کا مجموعہ ”بیاضِ شرف“ از سیرا شاعت ہے نظموں کا بھی ایک مجموعہ ”دیرِ شرف“ ہے رزاق اشرف سے میری پہلی ملاقات غالباً ۳۵ برس پہلے حاکم شاہ آبادی نئی معرفت ہوئی تھی رزاق اشرف نہایت خلیق متوازن طبیعت کے نفیس انسان ہیں مجھ سے دیرینہ شاعرانہ مراسم ہیں۔ کچھ برس پہلے شاہ آباد میں شاندار میلانے پر شہر بیان شاہ آباد کی جہانل سے ”جشنِ رزاقی اشرف“ کا اہتمام کیا گیا تھا افسانے کرناٹک خاص طور پر گلبرگہ کے قریب تھا تمام منتخب شاعروں نے شرکت کی تھی ادبی تقریریں مشاعرہ ان کے شاہانِ شان

پہلے پر منعقد ہوا تھا۔ حیدر آباد سے میرے علاوہ رئیس خنزمدعو تھے
 جشن کی تقریب کے لئے ہم دونوں نے حیدر آباد کا ایک بہت باوقار
 مشاعرہ چھوڑ لیا تھا چونکہ ہم نے شرکت کا وعدہ کیا تھا جشن کی شام راشٹری
 نیلڈم سکندر آباد میں زیر سرپرستی صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر شکر دیال شرما
 مشاعرہ منعقد ہوا تھا رزاق اشرف صاحب پیشہ کے اعتبار سے ڈاکٹر ہیں
 جن کی سبائی شہرت بھی ان کی شاعری کی طرح پھیل چکی ہے وہ جتنے اچھے
 شاعر ہیں اتنے ہی اچھے ڈاکٹر بھی ہیں کرناٹک کے ایک مشہور تعلقہ بسوا نکلیا
 میں حضرت سید احمد شاہ اعجازی کے عرس شریف کے سلسلے میں منعقدہ
 نعتیہ مشاعرہ میں کئی برسوں سے ملاقات ہو رہی ہے طرزی نعتیہ مشاعرے
 ہوتے ہیں ایک عرصے تک بلکہ تادم حیات صابر شاہ آبادی عرس شریف
 تقاریب کے نعتیہ مشاعرہ میں شرکت کرنے لپے صابر شاہ آبادی میرے
 بہت ہی اچھے شاعر دوست تھے اُس دور کے کلبر کے سینئر شاعروں
 میں سرور مرزا، عبدالرحیم آرزو، ڈاکٹر راہی قریشی اور سلیمان خطیب کا
 بڑا شہرہ تھا اُسی زمانے میں عطا کلیانوی اور رشید احمد رشید (بیدر)
 اور حکیم جمالی بھی کافی مشہور شاعر رہے ہیں ان نام سے میرے گہرے
 شاعرانہ روابط رہے ہیں۔ رزاق اشرف سلسلے کی دوسری کڑی ہیں اپنے دور
 کے اچھے شاعرانہ ماحول کے اچھے شاعر ہیں رزاق اشرف شاعروں کی تہذیبی
 روایات سے کاحفہ واقفیت رکھتے ہیں جن قلم کاروں نے اپنے فکر و فن کی
 غیر معمولی خدمت انجام دیا ہے انہیں نہ صرف حکومت وقت سے بلکہ شعرداد

میں تعلق رکھنے والی شخصیتوں کی حیثیت سے بھی، ان کو آجانا چاہیے عام طور پر ادبی سرگرمیوں سے ایسے ہی لوگ وابستہ رہتے ہیں جنہیں زبان و ادب سے دلچسپی رہتی ہے لیکن اس بات کا اطلاق تمام وابستگان زبان و ادب پر یوری طرح نہیں ہوتا۔ تجربہ یہ بتاتا ہے کہ کچھ لوگ صرف اپنے نام و نمود کے لئے اعلیٰ سطح کی انجمنوں سے جڑے ہوئے رہتے ہیں جن کی وجہ سے باوقار ادبی انجمنوں کی کارکردگی پر حرف آجانا بہت ممکن ہو یہ بات اضلاع کی ادبی انجمنوں میں کم ہو لیکن شہر کی انجمنوں میں منتفاد زمین و فکر رکھنے والے لوگوں کی بھی کمی نہیں ہے پھر بھی کاروانِ اردو رواں دواں ہے اوسط درجہ کا قدر رکھنے والے شاعروں کا بھی قدا اور شاعروں میں شمار کیا جاتا ہے ہر شاعر یا فن کار کو جتنی بھی شہرت ملتی ہے وہ ذاتی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ وسائل کی بہرہ بازیوں سے بھی اور زور قلم کی مرہونِ منت رہتی ہے ہمارے نقادوں اور مبصرین نے بعض ایسے قلم کاروں کو بھی منفرداً اُسیر لایا ہے جن کی شعری و ادبی خدمات ادب کا ایک اہم حصہ بن چکی ہیں شعروادب کے معاملات میں اچھے ماحول کو بہت زیادہ اہمیت ہے جو شاعر و ادیب محفول حلقہ دانشوران کا حصہ پتے رہتے ہیں وہ ارتقائی منازل طے کرتے چلے جاتے ہیں وہ لوگ جو شعروادب کی سرگرمیوں سے وابستہ رہتے ہیں وہ بہ آسانی ایسے قلم کاروں کی تائید کرتے ہیں جن کا مستقبل روشن ہے اور جو اپنے وقت کے اہم قلم کار بھی جاتے ہیں۔ ملک کے ہر خطہ میں بہت سے ایسے شاعر و ادیب موجود ہیں جو توجہ چاہتے ہیں اور بہت سے ایسے شاعر و ادیب بھی موجود

ہیں جو اردو معاشرہ کی عدم توجہ کا شکار ہو چکے ہیں ویسے بھی مستقول اہل قلم حضرات ادب میں توڑ جوڑ کی سیاست سے بہت دور رہتے ہیں اور جو بہت کچھ ہوتے ہوئے بھی گم نامی کی جاڑ میں لپٹے ہوئے رہتے ہیں رزاق اثر مشرقی و ادبی دنیا میں احساسِ برتری رکھنے والے شاعر ہیں نہ ہی احساسِ کمتری میں مبتلا رہنے والے شاعر ہیں وہ متوازن طرزِ زندگی اور میاں نہ روی کو اپنی کامیاب زندگی کے لئے ضروری سمجھتے ہیں رزاق اثر صاحب ایک ایسے شاعر ہیں جن کی مثال ان عظیموں کو سیر کھا جائے ضروری تھا جس نے اپنی محدود معلومات کے باوجود جن باتوں کو ضمیمہ نمبر میں لایا ہے وہ قارئین کی معلومات میں یقیناً اضافہ کا باعث ہو گی۔ ایک اچھے شاعر، ایک اچھے دور کے بارے میں لکھنے سے ایک گونہ مسرت محسوس ہوتی ہے۔ میں رزاق اثر کے فن اور شخصیت پر خامہ فرسائی کے دوران بہت زیادہ مسرت محسوس کرتا رہا۔ یقیناً ڈاکٹر رزاق اثر کا نام صاحبِ شاہ آبادی کے ساتھ نہ صرف شاہ آباد بلکہ سارے گلبرگ کے لئے باعثِ افتخار ہے۔

یوسفیہ حلیہ تنویر

(تنویر فکر و خیال، ذہین و فطین اُستاد و قلم کار)

جب کبھی بھی منہ زور آندھیاں چلتی ہیں تو کائنات کا ذرہ ذرہ دھلنے لگتا ہے۔ سیلابِ رواں کی زد میں سب کچھ بہہ جاتا ہے اور ایسا بہت کچھ ہو جاتا ہے کہ جس کے بارے میں انسان سوچ بھی نہیں سکتا۔ کائنات کا چکر ہی کچھ اس طرح چلتا رہتا ہے کہ جہاں شہنائیاں بجتی ہیں وہاں ماتم بھی ہوتا ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ غم زدہ ماحول کے اندر سے پُرمسرت لمحوں کی شروعات بھی ہو جاتی ہیں۔ کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ کس شخص کی زندگی میں کب اور کس وقت کیا ہونے والا ہے لیکن مشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ وہ لوگ جو کل تک فرش نشین تھے آج مسند نشین بن گئے ہیں اور جو لوگ آسمانوں میں اڑا کرتے تھے وہ زمین پر بکھرے پڑے ہیں۔ وہی شخص ایک کامیاب انسان کہلاتا ہے جو ہر قسم کے حالات کا پورے حوصلہ و ہمت کے ساتھ مقابلہ کرتا رہتا ہے نتیجتاً

ہوئے صحراؤں میں رہ کر بھی ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں کا منتہی رہتا ہے
 اپنی زندگی کے خدو خال کو سنوارنے کا ہنر جاننے والے لوگ روشن مستقبل
 کے لئے بلا تکان مصروف عمل رہتے ہیں ناگفتہ بہ حالات اور آگ کے
 دریا سے گزرنے والے باہمت لوگوں کی بات یہی کچھ اور بدھوتی ہے۔ لیکن
 یہ توقع رکھنا کہ انسانی زندگی کا ہر لمحہ گل فشاں فضاؤں کے ہم رکاب
 رہا کرتا ہے، صحیح نہیں ہے۔ پھر بھی کچھ لوگ ایسے مل ہی جاتے ہیں جو اپنی
 زندگی کے ہر لمحہ کو خوش آئند، خوشگوار اور بار آور بنا ہی لیتے ہیں۔ ان
 کیفیات کے آئینہ دار جلیل تنویر بھی ہیں جن کی ابتدائی زندگی دھوپ چھاؤں
 کے درمیان گزرتی رہی۔ جہاں ملک کی تقسیم کے ہولناک فسادات نے
 معصوم بچے گناہ لوگوں کے ساتھ پہچان سلوک کیا ہے وہیں حیدر آباد
 کے پولیس ایکشن کی تباہ کاریوں نے بے شمار بے خطا مسلمانوں کو تباہ و برباد
 کیا۔ جیل تنویر اور ان کے اہل خاندان بھی پولیس ایکشن کے جابرانہ مظالم نے
 تشدد کا شکار رہے۔ ان کے والد محترم محمد قاسم شہید ہوئے۔ اس وقت
 کے نہایت ہی فرقہ پرست، جابر مسلم دشمن وزیر داخلہ سردار دلہ بھائی پٹیل
 نے حیدر آباد کی تہذیبی وحدت کو ختم کرنے کی غرض سے حیدر آباد پر پولیس
 ایکشن کروایا تھا۔ جو پولیس ایکشن انہیں اصل میں ملٹری ایکشن تھا۔
 سردار دلہ بھائی پٹیل نے جبراً حیدر آباد دکن کو انڈین یونین میں ضم
 کرنے کے لیے پولیس ایکشن کروایا تھا۔ جس کا آغاز ۱۳ ستمبر ۱۹۴۷ء سے ہوا
 ۷ ستمبر کو ختم ہوا۔ وائی ریاست حیدر آباد دکن نواب میر عثمان علی خان نے

۷ اربتر کو اپنی ریاست بطری حکومت کے حوالے کی۔

جلیل تنویر ۳ مارچ ۱۹۴۹ء کو تعلقہ ہمنہ آباد (ضلع
بیدہ) میں پیدا ہوئے جو ریاستوں کی تقسیم سے پہلے حیدر آباد دکن کا ایک
حصہ تھا ان کے والد محترم محمد قاسم صاحب تجارت پیشہ شریف آدمی
تھے نہایت شریف الطبع، بامروت ہمدرد انسان تھے۔ جلیل تنویر
رشتے میں میرے بھائی ہوتے ہیں ان کی والدہ میرے حقیقی ماموں عبدالجید
صدر مدرس کی دوسری بیٹی تھیں۔ بن بچپن میں اپنی بہن سے ملنے کے لیے
ان کے گھر محلہ نور خاں اکھاڑ لہایا کرتا تھا جہاں کا مکان مسجد نور خاں اکھاڑے
کی مسجد سے متصل تھا۔ رمضان اور بقرہ عید کا مارا اکھاڑ اعیانہ میں ہوتی تھی
نماز عید کے بعد اپنے گھر محلہ کفر تھڑ جاتے سے پہلے محلہ نور خاں بازار
سے گزرتے ہوئے اپنی بہن کو عید کا سلام کرنے کے لیے جایا کرتا تھا ان
سے ملنے کے بعد محلہ ٹوپنگلی میں اپنی حقیقی بہن سے عید ملنے کے لیے جاتا۔ یہ
دونوں محلے قریب قریب تھے ان دونوں محلوں کے درمیان صرف ایک
فیصل جاتا تھی۔ جلیل تنویر کی والدہ میری والدہ کی چھٹی بھانجی تھیں چھ
یاد ہے کہ میں اپنی والدہ کے ساتھ اپنے ماموں کے ہاں موضع علی کھیر
(ضلع بیدہ) روہیل کی بندھی میں بیٹھ کر گیا تھا جہاں وہ ایک مدرسہ
میں استاد تھے چھ اپنے بچپن کی یہنوں کی محبت یاد ہے۔
علی الدین نوید اور رفیق ریاض جلیل تنویر کی بڑی قالہ کے بیٹے
ہیں۔ جلیل تنویر کی تعلیم ان کے دادا کی زیر نگرانی ہوئی۔ ان کی وفات

کے بعد ان کے بڑے بھائی رشید جاوید نے ان کا سرپرستی کا۔ جلیل تنویر کے ایک اور بڑے بھائی عبدالقدیر ہیں جو شیعہ روڈ ٹرانسپورٹ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جلیل تنویر کے اہل خاندان نے ہمایا د سے کلرگہ منتقل ہونے کے بعد کلرگہ کو وطن ثانی بنالیا۔ کلرگہ میں تعلیم جاری رکھی کرناٹک یونیورسٹی دھارواڑ سے ۱۹۷۳ء میں اردو میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے بعد کلرگہ میں تدریسی خدمات کا آغاز کیا۔ ۱۹۸۰ء میں گورنمنٹ کالج کلرگہ میں اردو کے پکچر ہوئے۔ ۱۹۹۱ء میں پروفیسر سید محمد کی ادبی خدمات پر پی ایچ ڈی کے لئے مقالہ لکھ کر ڈگری کی ڈاکٹر قیوم صادق ان کے گائیڈ تھے۔ جلیل تنویر کو کلرگہ یونیورسٹی نے حال ہی میں ریسرچ گائیڈ مقرر کیا ہے۔ ان کے زیر نگرانی تین طلباء پی ایچ ڈی کے لئے مقالہ لکھ رہے ہیں۔ جلیل تنویر افسانہ نگار بھی ہیں اور شاعر بھی۔ وہ اپنے افسانہ نگاری کے انداز کی دور میں ترقی پسند افسانہ نگاروں کرشن چندر، میدی اور منٹو وینیزہ سے بے حد متاثر رہے۔ کالج کی طالبہ کے دور سے ہی انھیں افسانہ نگاری کا شوق تھا ان کے افسانوں کا مجموعہ "حصار" ۱۹۸۳ء میں زیر اہتمام ادارہ شعر و حکمت حیدر آباد تلخ پورہ "حصار" کو اردو اکیڈمی کرناٹک نے انعام سے نوازا۔ جلیل تنویر اپنی بہترین تدریسی صلاحیتوں کی وجہ سے طلباء میں کافی مشہور ہیں۔ کلرگہ اور ملک کے بعض مقامات پر مہونے والے سیمیناروں، سیمینار اور ادبی جلسوں میں حصہ لیا کرتے ہیں۔ ان کے ادبی مضامین اخبارات اور

ادبی رسائل میں شائع ہونے رہتے ہیں۔ "خوشبو کا سفر" میں بھی ان کے تحقیقی مضامین شائع ہوتے ہیں۔ جلیل تنویر کو مشاعروں میں کلام سنائے سے کوٹا دلچسپی لگتی ہے شاید ہی کسی شاعرہ میں کلام سنایا ہو ان کا زیادہ تر وقت علمی، ادبی، تحقیقی و تنقیدی کتابوں کے مطالعہ میں گزرتا رہتا ہے۔ میرے بھانجیوں میں علی الدین نوید اور وقار ریاض کی طرح جلیل تنویر بھی شعر و ادب کی محفلوں میں شہرت رکھتے ہیں۔ — میں ان کے روشن مستقبل کے لئے دعاگو ہوں۔

تنویر واحدی

(میر تقی علی شاعر بہترین دوست - اچھا انسان)

’جن شاعروں کے ساتھ میں نے بیسیوں شاعروں پر پڑھے ہیں ان کے عادات و اطوار، ان کے انداز گفتگو، ان کے شاعرانہ رویوں اور ان کی شاعرانہ فکر و خیال سے کاحقہ واقفیت رکھنا کوئی نئی بات نہیں ہے البتہ یہ سوال اپنی جگہ ہے کہ اس طرح کے لوگوں کی معاشرہ میں کیا قدر و قیمت ہے، کس طرح معاشرہ ان کی پذیرائی کرتا ہے؟ کس طرح ان کی رشتوں کے پس منظر میں ان کی اہمیت کیا ہے؟ ویسے بھی مراکم کی ایک طویل مسافت طے کرنے کے بعد کچھ لوگ اس طرح ظاہر ہو جاتے ہیں کہ ان کا وجود ایک کرشمہ کی طرح محسوس ہونے لگتا ہے یا تو ان کی بے شمار خوبیاں ظاہر ہونے لگتی ہیں یا بہت سی خامیاں منظر عام پر آ جاتی ہیں اور غیر متوقع طور پر یہ سب کچھ ہو جاتا ہے — ایک اچھا خاصا انسان، اجالوں کا سفر طے کرتے ہوئے تاریک راہوں پر چل پڑتا ہے، صراطِ مستقیم کو چھوڑ کر ٹیڑھے میڑھے راستوں

سے گزرنے لگ جاتا ہے ایسی کیفیت اسی وقت طاری ہو جاتی ہے جب مستقل غرائز میں یا تو تنوع پیدا ہو جاتا ہے یا متزلزل خیالات اپنے پاؤں پھیلانے لگتے ہیں۔ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ صرف اجالوں اور روشنی کی کرم فرمایوں سے ہی انسانی رشتے سنورنے رہتے ہیں ہر وہ شخص جو اجالوں اور روشنی کی اہمیت سے واقف ہے اس کی بعض حرکات و سکنات عادات و اطوار سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ زندگی دھوپ چھاؤں سے عبارت ہے اجالوں اور اندھیروں کی ایسی آمیزش سے ہی انسان اپنی شخصیت کو بہتر انداز سے سنوارتا ہے۔ اجالے اندھیرے اس کی زندگی کے خدوخال میں رنگ بھرتے ہیں اندھیروں اور اجالوں کے امتزاج سے یہ مطلب نہیں نکالا جانا چاہیے کہ نیکیوں کے ساتھ بُرائیوں کو بھی جزو زندگی سمجھا جائے۔ کچھ کا مطلب یہ ہے کہ راحتوں اور آسائشوں میں زندگی گزارنے والے لوگ، ایک مخصوص قسم کے ماحول میں گھرے رہتے ہیں ہر شے تغیر و تبدل سے گزرتی رہتی ہے آسائشوں کے ساتھ مشکلات سے بھی گزرنا شخصیت کی نشوونما کے لیے بے حد ضروری ہے کسی شخص سے پہلی یا دوسری ملاقات کے بعد یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ وہ شخص سراپا خلوص، نہایت پاک و صاف ذہن و فکر کا مالک ہے مراکم و روابط کے آئینہ خانوں میں ایک دوسرے کی شخصیت کو جاننے اور پہچاننے کے مواقع ملتے ہیں۔ ہمیں اندازہ ہو جاتا ہے کہ ایک اجنبی شخص جو دوسنی کے دائرہ میں ہے وہ کتنے عرصے تک اپنی رفاقت کو باقی رکھے گا کچھ لوگ پہلی ملاقات میں ہی کچھ ایسا تاثر چھوڑ جاتے ہیں کہ محسوس ہوتا ہے

کہ اس شخص سے برسوں سے ملاقات ہے اس منقضا دہمیدی خیالات کی روشنی میں، مجھے یہ فیصلہ کرنا مشکل نہیں رہا کہ تنویر واحدی کس ذمہ میں پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔ میں نے تنویر واحدی کے مختلف رنگ دیکھے ہیں لیکن ان تمام رنگوں میں مجھے سب سے گہرا رنگ بے لوث دوستی کا نظر آیا۔ تنویر واحدی نے دشمنی تو کی ہی نہیں۔ خفا و جفا کے مرحلوں سے بھی گزرے نہیں لیکن ایک بات بے داغ آئینہ کی طرح روشن ہے کہ میں نے تنویر واحدی کو ہر ملاقات میں کھلے دل و دماغ اور دوستی کے قابل انسان پایا۔ تنویر واحدی نظام آباد میں رہتے ہیں وہی نظام آباد جو ہر دور میں شعری و ادبی سرگرمیوں کے لیے سرگرم عمل رہا ہے وہی نظام آباد جہاں کے لوگ وارفٹگی، دلبستگی، شائستگی اور بے لوث رشتوں کے آئینہ دار ہیں۔ تنویر واحدی کا اصل نام سید عمر علی ہے ادبی نام تنویر واحدی۔ ۲۰ نومبر ۱۹۴۴ء کو نظام آباد میں پیدا ہوئے عثمانیہ یونیورسٹی سے ۱۹۶۶ء میں پی یو سی کامیاب کیا۔ محکمہ صحت و طبابت سے وابستہ ہیں نظام آباد کے ایک قدیم ادبی انجمن دائرہ ادب اور ادارہ ادب کے معتمد ہیں تاحال ان کے دو شعری مجموعے بیاض فکر (۱۹۸۲ء) اور لفظوں کی آگ (۱۹۹۸ء) شائع ہو چکے ہیں۔ تنویر واحدی سے میری شاعرانہ دوستی کی ایک طویل مدت ہے زائد ازاں ۳۵ برس سے ہم میں دوستی ہے اور ایسی دوستی جس میں جذبہ خلوص و مروت ہے ایسی دوستی جس میں انسانی رشتوں کے اقدار نمایاں ہیں۔ تنویر واحدی انتہائی مخلص انسان ہیں یقیناً وہ میری طرح اپنے تمام دوستوں سے وابہاڑ و ابھاری رکھتے ہوں گے۔ نظام آباد

میرے لیے بنیام نہیں ہے نظام آباد سے میں تقریباً ۴۰ برس سے واقف ہوں شاعروں کی وساطت سے۔ وہاں کے لوگوں کی شائستہ طرزِ حیات سے بھی واقف ہوں۔ نظام آباد کے شاعروں میں میں لگ بھگ ۴۰ برسوں سے شرکت کر رہا ہوں۔ میں نے نظام آباد میں بے شمار شاعرے پڑھے ہیں نظام آباد کے ایک تعلقہ بودھن میں بھی کئی شاعروں میں شرکت کر چکا ہوں میرے چالیس سالہ دورِ شاعری میں نظام آباد کے شاعروں میں صرف تین شاعروں سے مجھے زیادہ وابستگی رہی۔ وہ تین نام یہ ہیں۔ سرزا وحید بیگ جمیل نظام آبادی اور تنویر واحدی۔ تنویر واحدی کو میں ۴۰ برسوں سے کلام سناتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ ان کی شاعرانہ عظمت کا معترف ہوں۔ ان کی شاعرانہ قدر و قیمت کو محسوس کرتا ہوں۔ ان کی شائستگی مزاج اور پاک طبیعت سے متاثر ہوں۔ تنویر واحدی چلے ہے جانے والی شخصیت ہیں یقیناً لوگوں نے اُن سے مراحم رکھنے میں لگ ہی بھی نامل نہیں کیا ہوگا اس لیے کہ ان کا وجود دوسروں کے لیے ضررِ رساں نہیں ہے بلکہ ان کی دوستی سے دل و دماغ کو تروتازگی اور فرحت حاصل ہوتی رہتی ہے ان تینوں شاعروں میں بعض خصوصیات مشترکہ بھی ہیں بعض الگ الگ بھی۔ اس کے باوجود یہ تینوں شخصیتوں نے مجھے اپنے خلوص میں محصور رکھا۔ تنویر واحدی کا شاعرانہ لب و لہجہ فارسی و سماع کو پوری طرح لپیٹے دامن میں سمیٹ لیتا ہے نہایت عمدہ شعر کہتے ہیں ان کی شاعری کا رشتہ کل ایسی شاعری سے بھی برقرار ہے۔ ان ۴۰ برسوں میں شعر و سخن کے میدان میں نئے نئے لوگ آئے ہیں

اور اپنی اپنی صلاحیت، قابلیت و حیثیت کے موافق اپنے شاعرانہ وجود کا احساس دلاتے رہے لیکن بہت سے شاعر نمایاں نہ ہو سکے۔ تنویر واحد یار باش، دوستی کے قابل انسان ہیں ان سے دوستانہ و شاعرانہ مراسم برقرار رکھنے ہوئے مجھے بے حد خوشی محسوس ہوتی ہے تنویر واحدی کی جانتی سہی ان کی شخصیت کے تعین میں معاون ثابت ہو چکی ہے نجف، دہلا پتلا شخص اپنے دوستوں میں الگ پہچانا جاتا ہے اپنے درمیانی فذ کی وجہ سے ہمیں بلکہ اپنی اعلیٰ دماغی طاقت کی وجہ سے، اپنی بلندی فکر و خیال کی وجہ سے اپنے روشن خیالات کی وجہ سے، آئینہ مثال دل گذاختہ کی وجہ سے تنویر واحدی کی شاعری سننے اور پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے کمزور حجامت کے باوجود بھاری جگر کم آدایں شہر ساتے ہیں توساری محفل منوجہ ہو جاتی ہے جہاں وہ اعلیٰ درجہ کے شاعر ہیں وہیں بہترین ناظم مشعرہ بھی۔ ان کی نظمیت میں میں نے کئی مشاعرے پڑھے ہیں دوران مشعرہ اپنی اعلیٰ درجہ کی نظمیت کا عمدہ مظاہرہ کرتے ہیں جو محفل مشاعرہ کو جانے کے لیے حمد و معاون ثابت ہوتا ہے جدید لب و لہجہ کا شاعر کہہ کر میں انہیں شاعری کے ایک ٹھنوس زمزم میں محصور کرنا نہیں چاہتا۔ ان کی شاعری تو بہن ہوئی ندی کی طرح ہے جو تمام اذہان کو سیراب کرتی ہوئی چلی جاتی ہے کلاسیکی شعری ادب سے رشتہ میونے کی وجہ سے وہ زبان و بیان اور شاعری کے رموز و نکات سے واقفیت کا احساس دلاتے ہیں ان کے اشعار فنی خوبیوں سے آراستہ ہوتے ہیں۔ میں نے اپنی شاعرانہ زندگی میں بے شمار ایسے شاعروں کو دیکھا ہے

جو صرف شاعروں کی حد تک ہی اپنی پہچان بنا سکے۔ تنویر اہدی کے علاوہ اضلاع کے شاعروں میں ”گوئیچ“ کے مدیر جمیل نظام آبادی کا شکر یہ ادا کرنا چاہیے کہ جن کے رسالے کے ذریعہ بہت سے اضلاع کے شاعروں کے بارے میں ادبی دنیا کم کم سہی واقفیت رکھتی ہے خاص طور پر حیدر آباد دکن کے اہل ذوق حضرات اضلاع کے شاعروں اور ان کے کلام سے واقف ہیں جمیل نظام آبادی اور تنویر اہدی بہت اچھے دوست ہیں دونوں نے ایک ساتھ اپنے شعرا نہ سفر کو جاری رکھا۔ ٹھہرے حد خوشی ہے کہ یہ دونوں شاعر دوسرے کچھ اور نظام آباد کے شاعروں کے ساتھ ساتھ نظام آباد کی ادبی و شعری فضا کو باقی رکھنے میں مصروف رہا کرتے ہیں ٹھہرے تنویر اہدی کی شخصیت اور ان کے شعرا نہ رتنہ بیہ تجھے والہانہ وابستگی ہے میری یہ خواہش ہے کہ میرا یہ شاعر دوست شعری و ادبی حلقوں میں خصوصیت کے ساتھ اپنے شعرا نہ وجود کو کمال لانا اور اپنی شعرا نہ عظمتوں کے نسل کو جاری رکھے۔ موسم بہار کے سرسبز و شاداب عناینوں کی طرح۔

عقیل اسعد

(جدید لب و لہجے کے پسندیدہ شاعر)

میں نے اپنی زندگی کے نامداز بہ سالہ راہی زندگی میں پیسینوں
شاعروں کو اُن کے فن کے آئینے میں دیکھا ہے اُن کی شاعرانہ قدر و قیمت
کو پرکھا ہے ان کے شاعرانہ رویوں کا جائزہ لیا ہے اُن کے اسلوب اور
اُن کے لب و لہجے کا تجزیہ کیا ہے کچھ شاعروں کا کلام سرسری طور پر پڑھا
رہا تو کچھ شاعروں کے کلام کا بہ غماز مطالعہ کیا ہے۔ دوران مطالعہ بعض شاعروں
کے کلام نے مجھے اس قدر متوجہ کیا کہ میں اُن کے کلام کے روح کی گہرائیوں تک پہنچ
چکا ہوں۔ جب کوئی شاعر اپنی خلفانہ صلاحیتوں کو فخر میں و قلم کی زیرت
بناتا ہے تو باذوق، صاحبِ ہنر و ادراک شخص کیلئے یہ ضروری
ہو جاتا ہے کہ وہ اس کے فن کا صدق دل کے ساتھ اعتراف کرے۔ خود میں بھی
تمام اہل قلم کی کتابوں کو پوری طرح تہیں پڑھتا۔ اپنے ذوق کے مطابق کچھ منتخب
تخلیقات بھی میرے زیر مطالعہ رہتی ہیں مجھے اندازہ ہو جاتا ہے کہ کس شاعری کو سرسری

طور پر بڑھنا چاہیے اور شاعروں نے یہ غور و خوض کی ضرورت تسلیم نہ کی تھی
 تخلیق کیوں نہ ہو وہ اپنے خالق کی نظر میں خوبصورت اور آئینہ مثال ہوتی
 ہے لیکن جب کوئی مبصر یا تجزیہ نگار کسی خالق کی پسندیدہ تخلیقات کا جائزہ
 لیتا ہے تو خالق کی اور قاری کی پسند کا ایک الگ الگ پیمانہ رہتا ہے خالق
 کا کام صرف یہ ہے کہ وہ فن تخلیق کرے اس کو اس بات کی فکر نہیں رہتی
 کہ اس کے فن کے ساتھ مبصرین و نقاد کیا سلوک کرتے ہیں اور اس کے
 فن کے قاری کس انداز سے پذیرائی کرتے ہیں۔ یہ دیکھنے میں آیا ہے
 کہ اعلیٰ درجہ کا یا ظرف تخلیق کار کبھی اس فکر میں مبتلا نہیں رہتا ہے کہ اس کے
 فن کی شعروادب میں کیا قیمت لگائی جا رہی ہے ایسے ہی بے نیاز شاعروں
 میں میں نے عقیل اسعد کو پایا ہے عقیل اسعد کی شاعری ان کے ہم عصر
 تمام شاعروں کے مقابلے میں اپنے ایک مخصوص لب و لہجہ کے سبب الگ پہچانی جاتی
 ہے اور ان کا ہر شعر داد و تحسین حاصل کرتا رہتا ہے عقیل اسعد نرمل کے سینیر اور سب سے
 زیادہ شہرت رکھنے والے شاعر ہیں۔ میں انہیں ایک شاعر کی حیثیت سے اس وقت سے
 جانتا ہوں جس زمانے میں وہ نرمل میں ہوتے والے مشاعروں کے سلسلے میں کلید کا
 رول ادا کرتے تھے یہی کوئی ۳۴ برس پہلے کی بات ہے (میں نے عقیل اسعد
 کو نرمل کے ایک یادگار مشاعرہ میں سنا تھا مشاعرہ کی صدارت پی نرسا را بڈی سانی
 ریاسی وزیر کر رہے تھے سابق صدر نشین قانون ساز کونسل سید مکھڑ شاہ مہمان
 خصوصی تھے مشاعرہ گاہ مشعروں شاعری سے دلچسپی رکھنے والے مہمان اردو سے بھرا
 ہوا تھا۔ میں نے دیکھا ہے کہ مشاعرہ گاہ کے باہر بھی کافی لوگ کھڑے ہیں اور

مختلف شاعروں کے کلام سے محفوظ ہو رہے ہیں اس شاعرہ میں عقیل اسعد کے والد محترم ابو محمد کے مجموعہ کلام ”سوز و ساز“ کی رسم اجراء انجام پائی تھی۔ عقیل اسعد نے ایک جواں سال شاعر کی حیثیت سے مجھے متاثر کیا تھا ان کے کلام پڑھنے کا انداز اور ان کا شاعرانہ لب و لہجہ مجھے بے حد پسند آیا۔ انہوں نے اپنی غزل نخت میں سنائی تھی آج بھی وہ نخت میں ہی کلام سناتے ہیں عقیل اسعد کو شاعری ورثے میں ملی ہے وہ ایک ہفت روزہ میزان نظر کے ایڈیٹر بھی ہیں وہ اضلاع کے شعروں میں بھی بہت کم شرکت کرتے ہیں اضلاع کے محضر شاعروں میں جدید رنگ کے شاعروں میں اقبال شیدائی، جمیل نظام آبادی، محمود تنویر واحدی جانی و جودی جیسے باصلاحیت شاعر موجود ہیں ان تمام شاعروں میں عقیل اسعد بھی اپنے مخصوص شاعرانہ لب و لہجے کی وجہ سے شہرت رکھتے ہیں۔ عقیل اسعد شاعروں میں ہمیشہ منتخب شعر سناتے ہیں ان کے سنائے کا انداز اس قدر پیراشر ہوتا ہے کہ ساری محفل متوجہ ہو جاتی ہے وہ شاعروں کے کامیاب شاعر ہیں عقیل اسعد نظام آباد کے ایسے شاعروں میں جو نظام آباد کے نامور شاعر جمیل نظام آبادی کے زیر انتظام ہوتے ہیں لازماً شرکت کرتے ہیں اضلاع کے کچھ اور شاعروں میں بھی ہیں انہیں دیکھ لے۔ میں نے انھیں جدید آباد کے بعض اہم شاعروں میں مدعو کیا اور مدعو کرتے رہتا ہوں اس لیے کہ عقیل اسعد میرے ہی نہیں جدید آباد کے شعری و ادبی حلقوں کے پسندیدہ شاعر ہیں عقیل اسعد کی شان و عظمت کے اعتراف میں جدید آباد کی ایک فعال انجمن ”سات نظر“ کی جانب سے ایک اہم ادبی تقریب منعقد ہوئی تھی جس میں انہوں نے اپنی منتخب

غزل پس سنا کر ساری محفل کو اپنے احساسات و جذبات میں شامل کیا تھا تقریباً ۳ برس سے شعر کہہ رہے ہیں مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ ان کے پاس کتنے مجموعوں کا کلام موجود ہو گا لیکن یہ جان کر مجھے خوشی ہوئی کہ ان کے منتخب کلام کا مجموعہ بہت جلد شائع ہونے والا ہے جبکہ شاعر یا ادیب کی کتاب شائع ہوتی ہے تو مجھے بہت خوشی ہوتی ہے میری نظر میں بعض اعلیٰ درجہ کے شاعر و ادیب ہیں جو اپنی نساہلی اور اپنی استادِ طبع کی وجہ سے اپنی کتابوں کی اشاعت کے لیے دلچسپی نہیں لیتے۔ لیکن یہ بات قابلِ طمانیت ہے کہ حیدر آباد اضلاع آندھرا پردیش اور اضلاع حیدر آباد دکن کے سببیتز قلم کاروں کی کتابیں شائع ہو کر منظرِ عام پر آچکی ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے۔

عقیل اسعد نرمل کی اردو زبان و ادب سے والہانہ دلچسپی رکھنے والی شخصیت سابق ریاستی وزیر جناب پی نرسارائی سے کافی قربت رکھتے ہیں نرسارائی صاحب عقیل اسعد کو بہت چاہتے ہیں اور فخر محسوس کرتے ہیں کہ ان کے وطن نرمل میں ایک ایسا شاعر بھی موجود ہے جو نرمل کا نام شعر و ادب کی دنیا میں روشن کر رہا ہے خود نرسارائی صاحب نے مجھ سے ایک انجی ملاقات میں اپنے خیالات کا اس طرح اظہار کیا تھا افسوس عقیل اسعد کی شاعرانہ قدر و قیمت کا اعتراف ہے عقیل اسعد کے والد محترم ابو سعید سید بھی نرسارائی صاحب کے اچھے دوست رہے ہیں۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ اضلاع کے شاعر و ادیب ہیں جمیل نظام آبادی، عقیل اسعد کے بہت ہی قریبی دوست ہیں اور یہ بات میں برسوں سے محسوس کر رہا ہوں مجھے اس بات کا بھی اندازہ ہے کہ

ان کے دل کے ایک گوشے میں تنویر واحدی کے لیے ایک مخصوص جگہ ہے۔ عقیل اسعد بزمی شاعر ہیں جو لوگ خالص شاعر ہوتے ہیں ان کی زندگی کے طور و طریق عام لوگوں سے کچھ ہٹ کر رہا کرتے ہیں عقیل اسعد چونکہ ایک فطری شاعر ہیں اس لیے فن سے محبت رکھتے ہیں، وہ انسانی رشتوں کے قدر شناس ہیں بامروت دہمدرد انسان ہیں طرح دار اور سیر وفار شخصیت کے حامل ہیں، ایما نثار اور دوستی کے قابل انسان ہیں دوستی میں سب کچھ قربان کرنے والی شخصیت ہیں، ہمدرد اور پاکردار انسان ہیں۔ عقیل اسعد سے جب کبھی میری ملاقات رہی میں نے انہیں نہایت پُر خلوص، خوش مزاج، خوش اطوار خوش گفتار اور شاعرانہ مزاج کا آئینہ دار حاف گوار سیدھا سادا دوستی کے قابل انسان پایا ہے عقیل اسعد سے میں بہت کم شاعروں میں ملتا رہا ہوں البتہ نزل کے شاعروں کے علاوہ نظام آباد کے شاعروں میں اُن سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ میں نے یہ بات شدت سے محسوس کی ہے کہ وہ مجھے ایک اعناد ساتھ سمجھتے ہیں شاید یہی وجہ ہے کہ نزل کے شاعروں میں حیدر آباد کے شعراء کے انتخاب اور انہیں مدعو کرنے کی مجھے کھینٹا ذمہ داری سونپتے ہیں۔ انہیں یقین رہتا ہے کہ میں وعدہ کا پابند ہوں اور معیاری و نمائندہ شاعروں کے ساتھ شاعرہ میں شریک رہتا ہوں۔ عقیل اسعد بحیثیت جرنل سکریٹری شمع ادب حیدر آباد کے بعض اہم شاعروں کو سالانہ مشاعرہ میں تہنیت پیش کیا جن میں قابل ذکر ڈاکٹر علی احمد جلیلی، رئیس اختر، عمر بزمی بھارتی، اختر عوی شامل ہیں ایک سالانہ مشاعرہ میں مجھے بھی انہوں نے عزت بخشی تھی۔

نمرمل کے مشاعروں کے داعیان میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلم حضرات بھی
 دلچسپی لیتے ہیں خاص طور پر وہاں کے مسیحی قائدین کا انھیں تعاون حاصل رہتا
 ہے شعراء کے قیام و طعام، ان کی آمد و رفت اور ان کے نذرانہ کا خاص خیال
 رکھا جاتا ہے عقیل اسعد نمرمل کی بااثر شخصیت ہیں اچھے خاندان کے اچھے
 فرد ہیں۔ ہر انسان کی زندگی مختلف خانوں میں بٹی ہوئی رہتی ہے لیکن
 ایک کامیاب انسان اپنی زندگی کے لیے ایسا ہی راستہ منتخب کرتا ہے جس پر
 سے وہ یہ آسانی گزارتا رہے۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم
 کو تو باری کی باری سے غرض ہے۔ یہ بات غلط نہیں ہے لیکن وہی دوست ایک
 اچھا دوست سمجھا جاتا ہے جو اپنے دوست کی بھلائی اور اس کی بہتری کے لیے
 ہمیشہ تیار رہے۔ عقیل اسعد کے یقیناً بہت سے احباب ایسے بھی ہوں گے
 جو ان کی بہترین زندگی کے لیے ان کا ساتھ دیتے ہوں گے۔ سچ تو یہ ہے کہ
 عقیل اسعد مجھے شاعر کی حیثیت سے نہیں ایک اعلیٰ مرتبت انسان کی حیثیت
 سے ہی پسند ہیں جیسا کہ مجھے معلوم ہے وہ نمرمل کی سماجی زندگی سے بہت قریب
 ہیں بلا تخصیص مذہب و ملت تمام انسانوں کی مدد کرتے ہیں ان کے اچھے
 کاموں میں شریک رہتے ہیں کبھی روزنامہ سبھارت اور ماہنامہ گوشتی
 اور خوشیو کا سفر میں ان کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے اضلاع کے وہ شاعر
 جنہوں نے ۳۰ تا ۴۰ برس قبل اپنی شاعرانہ شناخت بنا لی ہے ان میں ایک اہم
 نام عقیل اسعد کا بھی ہے مجھے یہ شخص اور یہ شاعر بے حد عزیز ہے میری
 خواہش ہے کہ وہ شعرداد کے دنیا میں اپنے وجود کا بھرپور احساس دلانے لگیں۔

وقارِ ریاض

روشن خیال - باشعور شاعر

ادبِ عالیہ کی پہچان بن کر جب کوئی باصلاحیت، ہونہار شاعر
 پہنچتا ہے شعر و ادب کو جھکاتے ہوئے سارے ادبی ماحول کو سمیٹ کر دیتا
 ہے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ ایسا شاعر اپنی پوری توانائی کے ساتھ اونچی
 اڑان بھرنے ہوئے دانشورانِ شعر و ادب کی محفل میں جلوہ گر ہے ایسے
 ہی شاعر جب نکل افشانی، نشتر زنی اور وارداتِ قلبی کے اظہار کا
 ذریعہ بن جاتے ہیں تو معاشرے کی بنی بگڑتی ساری نقوسیریں شدت کے
 ساتھ اپنے ہونے کا احساس دلاتی ہیں۔ اپنی شاعرانہ پہچان کے
 لیے ایک شاعر معاشرے کے خدوخال میں اس طرح رنگ بھرتا ہے کہ اس
 کی تخلیقات ہر اُس شخص کی ذات کا ایک حصہ بن جاتی ہیں جو نرم و گرم
 حالات سے گذرتا رہتا ہے وقت کی تیز روی ہر اُس تخلیق کار کو چھاتی
 ہے جس کا فن وارداتِ قلبی کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

فکر و خیال کی بلندیوں کو چھونے والے آئینہ صفت، فطرت شناس، شہساز
نواز یا شعور شاعروں میں ایک شگفتہ اور اہم نام وقار ریاض کا بھی
ہے جس نے ۵۰ سال پہلے گرم گرم ریت سے گذرتے ہوئے طوفان اور
حوادث کی زریں ریتیں جوئے منزل کی بے پناہ خواہشوں کے ساتھ
اپنے خوشگوار سفر کا آغاز کیا تھا آج وہی وہ روز منزل شوق، کھلے آسمان
تنتے اپنی زمین سے جبراً ہوا کھلی فضاؤں کی تازہ ہواؤں میں سانس
لیتے ہوئے سرگرم سفر ہے۔ اس دور کے نوجوان شاعر دل میں
وقار ریاض کا نام ایک خاص امتیاز کے ساتھ لیا جاتا ہے اپنے فن سے والہانہ
و ابستگی رکھنے والا یہ ذہین و فطین شاعر اپنے روشن مستقبل کی ضمانت
لے کر اُن شاعری پر تیزی کے ساتھ ابھر رہا ہے اس کے اشعار میں زندگی
کی حرارت، جذبات کی صداقت، مشاہدات کی دلپذیری، احساس کی
تازگی اور شعور کی بالیدگی تمام تر خوبیوں کے ساتھ رونق افروز ہے۔ اپنے
جذبات، مشاہدات و واردات قلبی کی بھٹی میں جل کر جب کوئی شاعر
تخلیقی سفر سے گذرتا ہے تو اس کی تخلیق دیر پا تاثر کی طرح دنیا و بیری
شکل اختیار کر جاتی ہے وقار ریاض جیسے نہ جانے اور کتنے شاعر ہوں
گے جو اپنے فن کے ذریعہ اپنی شناخت بناتے ہیں مصروف ہیں۔ ہر دور
کی طرح آج کا دور بھی عصری تقاضوں کی تکمیل کے لیے سازگار ہے اور سازگار
بھی نہیں۔ حالات نے ہر دور کے فن کار کو متاثر کیا ہے ہر فن کار اپنے
دور کا نباض ہوتا ہے۔ وہی شاعر اپنی خصوصی پہچان کے ساتھ ادب میں

زندہ رہتا ہے جو حالات کی بے راہ روی اور نئی آنکھوں کا شکار ہوئے
 بھی پامردی مستقل مزاجی اور حوصلہ مندی کے ساتھ اپنے میدان میں قدم جمائے
 ہوئے رہتا ہے۔ مصلحت شناسی، تنگ نظری، موقع پرستی اور
 کم نگاہی، قلم کی لیے بیاہ طافٹ کو روک نہیں سکتی۔ فرط اس وقلم کی حرمت
 کا خیال رکھنے والے تحقیق کار دامن شعر و ادب کو ہمیشہ ہکاتے رہیں گے۔
 اپنے فن سے دیانت داری برتنے والے اہل فن اپنے مثبت کارہائے
 نمایاں کے ساتھ پہچانے جائیں گے۔ وقار ریاض اپنے ہمعمر شاعروں میں
 ایک منفرد مقام رکھتے ہیں ان کے اشعار سے جہاں پھولوں کی شگفتگی کا
 احساس ہوتا ہے وہیں تلخی، دوراں اور شرریارنگا ہوں کا عکس بھی جھلکتا
 ہے۔ کلاس کی اقدار کا پاسدار، ترقی پسندی اور جدیدیت کے رجحانات
 کا علمبردار، زندگی کے اُجالوں کا طرفدار، ٹھنڈی چھاؤں اور نیپے ہونے
 صحراؤں میں اپنے قلم کی پیروشن کرنے والا یہ شاعر اپنے وجود کا ہمیشہ
 احساس دلاتا رہے گا۔ وقار ریاض کی شاعری، دھوپ چھاؤں، ترقی
 گرہی، سبک خراچی اور تیز گامی سے عبارت ہے جہاں ان کے اشعار سے
 پھول برستے ہیں وہیں شعلوں کی برسات بھی ہوتی رہتی ہے۔ اس
 دور کے شاعروں کے ہاں موضوعات کی کمی نہیں ہے دیکھنا یہ ہے کہ
 قلم کی کاٹ کیا شکل دکھاتی ہے اور وہ کن کن مرحلوں سے گذرتے ہوئے
 اپنے اعلیٰ منصب کا حق ادا کرتا ہے۔ تہذیب و انسانیت کی اور روایت
 سے وقار ریاض کا رشتہ ٹوٹا ہے۔ ماضی کی اعلیٰ روایتوں کے طرفدار

ہوتے ہوئے شاعر نے حالات سے منہ نہیں موڑا۔ وقار ریاض کو
 یوں نے کل ہند مشاعروں میں بھی سنا ہے مختصر یہ شعر (مستشرقین) یہ
 بھی۔ ان کی شاعری دل کو چھونے والی اور فکر و خیالی کی ترجمانی کرنے
 والی شاعری ہے۔ ان کے پڑھنے کا انداز بہایت پُر اثر رہتا ہے
 اچھے شعر کو اچھے انداز میں پیش کرنا یا کہاں شاعروں کا ایک بہترین وصف
 سمجھا جاتا ہے یہ اعزاز وقار ریاض کو حاصل ہے۔ تخت میں کلام سناتے
 ہیں اور کچھ اس طرح کہ ساری محفل سے داد و تحسین حاصل کر لیتے ہیں
 وقار ریاض ان کا میاب شاعروں میں سے ایک ہیں جن کی شہرت
 ادبی حلقوں میں بہت تیزی سے پھیل رہی ہے۔ وقار ریاض نے ہر
 صنف شاعری میں اچھے شعر کہے ہیں لیکن غزل میں ان کی شاعرانہ
 صلاحیت کا اظہار کھل کر ہوا ہے۔ زندگی کے کون سے ایسے مسائل
 ہیں جن کی غزل منہل نہ رہی ہو وقار ریاض کو نظم گوئی پر بھی دسترس
 حاصل ہے دیگر اصنافِ سخن بھی اردو شاعری کا سرمایہ ہیں جن کی
 عظمت اپنی جگہ برقرار ہے۔ ان کی بعض موضوعاتی نظمیں ادبی تاریخ
 کا ایک حصہ بن کر زندہ رہیں گی مذہبی شاعری پورے عقیدت و احترام
 کے ساتھ کہی گئی ہے۔ فن سے ان کی وابستگی نے پاک و صاف شعروں
 کہلوائے ہیں۔ کلام کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وقار ریاض
 ایک ایسے شاعر ہیں جن کی تخلیقات ہر دور میں پڑھی جائیں گی۔
 وقار ریاض تعلقہ ہمایاد کے ایک با اثر عظیم المرتبت قائد ان میں سے ۱۹
 کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد محترم محمد ریاض الدین ایک کامیاب تاجر تھے

جو پولیس ایکشن میں شہید ہوئے۔ ان کے دادا محمد علیم الدین مستظلم پولیس
 تھے اور ان کے نانا مولانا محمد رفیع الدین (جن کا کئی برسوں تک شعبہ درس و تدریس
 سے واسطہ رہا۔ نامور شاعر علی الدین نوید ان کے حقیقی بڑے بھائی ہیں
 ان کے دو اور بیٹے بھائی ہیں محمد قیام الدین اور محمد مصلح الدین۔ صلاح الدین
 بیٹر ان کے ماموں ہوتے ہیں۔ وقار ریاض کا وطن ثانی گلبرگ ہے۔ نامور
 شاعر محب کوثر سے مشورہ نسخہ کرتے ہیں۔ اتھنائی شاعری کے زمانے میں انہیں
 علی الدین نوید کی سرپرستی حاصل رہی۔ وقار ریاض کا مجموعہ کلام فلم لوٹنا ہے
 ۱۹۹۶ء کو کرناٹک ایکڈمی کے رقی نقادوں سے شائع ہوا۔ وقار ریاض گلبرگ
 کی ادبی انجمن قرونِ ادب کے دس سال سے صدر نشین ہیں حکمہ آرٹس کے اعلیٰ
 عہدہ داروں نے ان کی شاعرانہ عظمت کے اعتراف میں ایوارڈ اور توصیفی
 سند سے نوازا۔ وقار ریاض گلبرگ بس ڈیو پریٹر افک کنٹرولر کی حیثیت
 سے مامور ہیں۔ وقار ریاض ہندوستان کے کئی مقامات پر کل ہند شاعر سے
 پیڑھ چکے ہیں۔ آل انڈیا ریڈیو گلبرگ، حیدرآباد کے علاوہ کشمیر اور دلی
 ریڈیو اسٹیشن سے ان کا کلام نشر ہو چکا ہے انہیں کوٹرنگل میں منعقدہ
 ایک ادبی تقریب میں سائبر ڈل اور تو جینی سند دی گئی۔ دور درشن
 بیٹگلور میں ان کا کلام ٹیلی کارڈ ہوتا رہا ہے۔ گلبرگ کی تقریباً تمام
 فعال انجمنوں سے ان کا تعلق ہے شاعرہ دکن (حیدرآباد) میں ۶ سال
 تک یہ پابندی شرکت کرتے رہے۔ کل ہند مجلس اتحاد المسلمین کے زیر اہتمام
 منعقدہ سالانہ کل ہند نعتیہ شاعروں میں شرکت کیا کرتے ہیں۔ شکرچی

بمبوری سوسائٹی کے کل ہند مشاعرہ میں بھی کلام سنا چکے ہیں ملک کے نامور
 شاعروں کے ساتھ کلام سنانے کا انہیں اعزاز حاصل ہے اخیر سیارہ
 اور ماہنامہ خوشبو کا سفر میں ان کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے۔ حیدرآباد
 کے فعال اداروں، ادارۃ میرا شہر میرے لوگ، ایوان پرنس سعظم جاہ
 میں کلام سنا چکے ہیں۔ اصلاح آندھرا پردیش کے مشاعروں میں خطبہ
 کے ساتھ مدعو کیے جاتے ہیں۔ حیدرآباد کی ایک فعال ادبی انجمن سوغات
 نظر کے زیر اہتمام وقار ریاض کے فکر و فن کا جائزہ اجلاس رکھا گیا تھا
 اس اجلاس کو شہر کے نامور دانشوروں نے مخاطب کیا تھا وقار ریاض
 کی مشاعرہ صلاحیتوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ شعر و ادب کے اعلیٰ
 منصب تک بہت جلد پہنچنے والے ہیں۔ ان کا مستقبل بہت
 زیادہ روشن نظر آتا ہے۔ یحییٰ یقین ہے کہ ان کی شہرت میں
 اضافہ ہی ہوتا چلا جائے گا اور ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ وہ
 ہر اہم مشاعرہ کے لیے ناگزیر شاعر رہیں گے۔

ریحانہ بیگم

(سمر زین علم و عرفان بیدار کا باصلاحیت شاعرہ)

جنا لوگوں کو بھی فنون لطیفہ سے واقف دلچسپی اور دلچسپی رہتی ہے
وہ لوگ نہ صرف بے حد حاسن ہونے میں بلکہ نازک مزاج اور مبالغہ
مزاج بھی ہوتے ہیں۔ اُن کی طبیعت میں جولانی ہوتا ہے اور انہیں سرشاری بھی
ہوتی ہے۔ اُن کا لب و لہجہ انداز گفتگو طرزِ حیات اور ان کا انداز
رکھاؤ اپنی مکمل پہچان کے ساتھ نمایاں رہتا ہے اُن کے جذبات میں
لے سافٹگی، مشابہت میں برفِ نکلی، تجربات میں تابندگی اور ان
کے رویے میں بے بسازی کے ساتھ ساتھ برجستگی بھی رہتی ہے اگرچہ
سے فنونِ لطیفہ سے وابستگی رکھنے والے لوگوں میں شاعر ہوں تو اُن
کا بات چیت اور اُن کی طرح داری بھی ایسی ہوتی ہے۔ فنونِ لطیفہ سے
مربوط ہر کام اور شخصیت میں اپنے اپنے فن میں اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کا
تخلیف و امداد میں اظہار کرتے ہیں

بہترین فکر ایک حیشہ نور ہوتا ہے جس کی روشنی کائنات کے ذرہ ذرہ کو چمکاتی رہتی ہے اور ایک قلم کار جو اپنے فکر و خیال کی خوشبو سے باذوق سامعین و قارئین کے مشام جاں کو مسخر کرتا رہتا ہے وہ معاشرہ کا ایک اہم فرد سمجھا جاتا ہے۔ اس طرح کے پس منظر میں جب ہم صاحب کمال فن کاروں، باصلاحیت قلم کاروں اور ذہین و فطین تخلیق کاروں کے فن پاروں اور ان کی تخلیقی شاہکاروں سے مانوس ہو جاتے ہیں تو ذہین و فکر کے خوابدہ گوشوں میں ایک روشنی بکھیر پھیل جاتی ہے۔ یا شعور و باصلاحیت تخلیق کاروں کے فکر و فن کی روشنی نہ صرف سامعین و قارئین کے دل و دماغ کو ہی متور کر دیتی ہے بلکہ انسانی رشتوں کے نقدس کو سمجھنے کی بھی طاقت عطا کرتی ہے۔ فنون لطیفہ سے وابستہ بہت سے قلم کاروں میں ایک نیا اور انجی ہونا ام ریحانہ بیگم کا بھی ہے جو اپنے فکر و فن کے آئینوں کو اپنے مخصوص انداز میں جلو بخش رہی ہیں۔ ریحانہ بیگم حبیبی، ہندب، یا شعور، شاد اور پروتاز شاعرہ کا کلام حبیب میری نظر سے گزرا تو مجھے محسوس ہوا کہ اس شاعرہ میں نہ صرف فکر و خیال کی ہی تابناکی پوری آن بان کے ساتھ جلوہ گر ہے بلکہ ان کے کلام میں ان کے خیالات کی تازگی، جذبات کی شگفتگی، مشاہدات کی سچائی اور تجربات کی ہمہ رنگی بھی موجود ہے۔ اس تناظر میں خجندیگی سے غور کرنے کے بعد ہی میں اس نینچہ پر پہونچا کہ اگر اس شاعرہ کے کلام کی مناسب انداز میں پذیرائی ہو تو اس کو

اپنی صلاحیتوں کے اظہار کا پورا موقع مل جائے گا۔
 ریحانہ بیگم میرے حقیقی بھائی کی بہو ضمیمہ سلطانہ کی نہ صرف بہترین
 دوست ہیں بلکہ اُن کی ہم پیشہ بھی ہیں جو پیشہ درس و تدریس کے
 مقدس شعبہ سے تعلق رکھتی ہیں۔

ریحانہ بیگم نے جب اپنی شاعری کا آغاز کیا ہو گا تو اُن کی شاعری
 منظر عام پر آنے کے لئے بے چین رہی ہو گی۔ اُن کا کلام سن کر کسی خوشگوار
 موقع پر ضمیمہ نے انہیں مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنا کلام بعض اصلاح
 ممبرے پاس روانہ کریں۔ میں خط لکھ دوں گی اور تجھے یقین ہے کہ وہ
 اپنی ادبی و صحافتی مصروفیات کے باوجود میری خواہش پوری کریں گے
 چنانچہ مختلف اوقات میں ذریعہ ڈاک ریحانہ بیگم کا کلام مجھے تنگ
 پہنچنے لگا۔ جب بھی مجھے فرصت ملتی ان کے کلام کو آدھا بچھا کرتا۔
 اور بعد اصلاح نوٹا ناز با۔ تقریباً ایک برس تک یہ سلسلہ جاری رہا
 جب اصلاح شدہ کلام میں کچھ زیادہ اضافہ ہو گیا تو میں نے ریحانہ بیگم
 کو مشورہ دیا کہ کہیں نہ آپ کے کلام کو جو مختلف اوراق کی شکل میں
 موجود ہے کتابی شکل دی جائے۔ انہیں میرا مشورہ پسند آیا اور انہوں
 نے فرط مسرت میں کتاب کی اشاعت کا تہیہ کر لیا۔ ریحانہ بیگم ایک
 زود گوشت اعزہ ہیں۔ سیدھے سادے لفظوں میں دل کو چھو آنے والے
 شعر کہتی ہیں ان کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ زندگی کی رعنائیوں کے
 ساتھ ساتھ معاشرہ کی تلخیوں کا بھی کھلے دل و دماغ سے خیر مقدم

کرتی ہیں ان کا تقریباً تمام کلام سہل مخمّنح میں ہے زبان و بیان
 پاک و صاف ہے لب و لہجہ سلجھا ہوا سہل اپنے دل کی بات سلیقہ
 سے کہہ جاتی ہیں۔ ان کی باتوں میں جذبات کا اظہار پیر اثر انداز میں
 ملتا ہے ان کے کلام کے مطالعہ سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں مشرقی
 علوم و فنون سے گہری دلچسپی ہے۔ ادبی و ثقافتی، تہذیبی و فلاحی
 دینی و اخلاقی تحریکوں سے بھی وہ دلچسپی رکھتی ہیں کثرت مطالعہ نے
 انہیں فکر کو کچھ زیادہ ہی نکھارا ہے۔ خاص طبعیت نے انہیں سادگی
 کے ساتھ ساتھ پُر کاری اور سلیقہ سے ہم کنار کیا ہے۔ یہی انہیں کلام کو
 جس قدر خوشیوں کے لمحات عزیز ہیں اتنی ہی قدر انہیں اپنے آسودہ دل
 کی بھی ہے انہیں ضبطِ غم کا بڑا سلیقہ حاصل ہے تمام کلام کے بہ غائر
 مطالعہ سے قارئین کو اس بات کا بھی اندازہ ہو گا کہ شاعر اپنے درد و
 غم کی دولت کو معاشرہ کے ہر اُس فرد میں تقسیم کرنا چاہتی ہیں جو انسانی
 خشتوں اور تہذیبی اقدار کی پامداری کرتا ہو۔ شاعرہ کی آنکھوں میں
 آنسو بھی ہیں لیکن ان کی آخری حدِ بلبوں کے کناروں تک محدود ہے وہ
 اپنے درد و غم کے انبار کے لئے اشکوں کو ذریعہ بنانا انہیں چاہتیں۔
 بسا اوقات جب افسو جگنوین کر بلبوں پر جگمگانے لگتے ہیں تو معاشرہ
 کے سنائے ہوئے لوگوں کے دامن بھر جاتے ہیں ایک اچھے تخلیق کار
 کا یہ بھی وصف ہوتا ہے کہ وہ اپنے تخلیقی سرمائے کو تہذیبی رشتوں
 کی آبیاری کے لئے منترک کرتا ہے منفرد قلم کا دکھ کا دل آئینہ کی طرح

ایک وصفاء ہو تا ہے جس میں حاشہ کے خد وخال صاف نظر آتے ہیں
 ریحانہ بیگم نے ایک باشعور شاعرہ کی حیثیت سے ادبی دنیا میں
 قدم رکھا ہے۔ ان کا کلام یقیناً قارئین کے لئے تسکینِ ذوق کا
 باعث بنے گا۔ میں نے پوری ذمہ داری اور دلچسپی کے ساتھ اس مجموعہ
 کلام ”پہلی کرن“ کی اشاعت میں دیکھی لی ہے۔ ایک تو اس خیال سے
 کہ ریحانہ بیگم میری بہو کی وساطت سے متعارف ہوئی ہیں دوسری وجہ
 یہ ہے کہ ریحانہ بیگم مجھ سے مشورہ سخن کرتی ہیں۔ مجھے بے حد خوشی ہے
 کہ ریحانہ بیگم کا مجموعہ کلام ”پہلی کرن“ شائع ہو رہا ہے۔ ہر قلمکار
 جب پہلی کتاب شائع ہوتی ہے تو اس کی مسرت کی انتہا نہیں ہوتی۔
 میں ایسی ہی مسرت ریحانہ بیگم میں محسوس کر رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ ریحانہ
 بیگم کا یہ ادبی و شعری سفر موکم نکلنے کی پہلی خوشبو کی طرح جاری رہے گا۔

پروفیسر جگن ناتھ آزاد

(مہر اقبالیات، عالمی شہرت یافتہ ممتاز شاعر و ادیب)

علم کی دولت سے مالک دو جہاں جہاں کسی شخص کو مالا مال کرنا چاہے ہے تو دولتِ علم اس کے گھر میں از خود رکھ آتی ہے اس کے ذہن و فکر کا کوئی ایک گوشہ بھی ایسا نہیں رہتا جو منور و ہلکا ہوا نہ ہو۔ اس کے ذہن رسا اور اس کے فہم و ادراک کا ہر حصہ تازہ روشنی اور تازہ ہوا کا خیر مقدم کرتا ہے ایسے لوگ جو کتنے علمی، وجدان و عرفان کو سرچشمہ، نور و نکہت سمجھتے ہیں وہ علم و عرفان کے ہر مسئلہ اور ہر موضوع پر اظہارِ خیال کی طاقت رکھتے ہیں ذی علم و ذی شعور لوگ، علم و ادب کی نکھرے ہوئی زندگی سے کچھ اس طرح وابستہ ہوتے ہیں کہ ان کی زندگی کا بیشتر حصہ فکر و فن، شعر و حکمت اور علم و آگہی کے خیر اغوں کو روشن رکھنے میں مصروف رہتا ہے زبان، علم و ادب کی ایک فرد کی شخصی میراث نہیں ہے کوئی بھی علم کیوں نہ ہو وہ محدود و ادور ہیں محصور نہیں رہتا بلکہ اس کی کریمیں ایسی ایسی جگہ بھی پہنچ جاتی

ہیں جہاں تک پہنچنے کے لئے ایک عمر گزارنی پڑتی ہے ایسے ہی لوگ قابلِ پرستش اور پوجے جانے کے قابل ہوتے ہیں معاشرہ میں عزت و احترام سے دیکھے جاتے ہیں ویسے ہی علمی و ادبی خدمات کا رعب و دبہ معاشرہ پر کچھ اس طرح اثر انداز ہوتا ہے کہ رشتائی شخصیتیں ہر دور میں ہر مرکزِ علم و آگاہی کا چراغ بنی رہتی ہیں۔ اردو زبان و ادب کے محترم خدمت گزاروں میں سے لاتعداد صاحبانِ علم و عرفان نے اپنی بھرپور خدمات سے فیوض و برکات کا دریا بہا دیا ہے اس طرح کے اعلیٰ مرتبت شخصیتیں ہر زمانے میں رہی ہیں اور روشنی کا یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ عصرِ حاضر میں بھی کچھ ایسی بہکال شخصیتیں موجود ہیں جو نوزین کر علیٰ خدمات انجام دے رہی ہیں اردو زبان کسی ایک قوم یا کچھ ایک خاص فرقہ کی زبان نہیں ہے اس لیے کہ یہ زبان ایک مشترکہ زبان ہے جہذبِ معاشرہ کی تہذیب یافتہ و آباد نگار زبان ہے کوئی ایک قوم بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتی کہ اردو زبان صرف اُسی ایک قوم کی زبان ہے عام طور پر ہندوستان میں اردو زبان مسلمانوں کی مادرِ زبان سمجھی جاتی ہے اور ہے بھی۔ لیکن بہت سے غیر مسلم لوگوں کی مادرِ زبان بھی اردو ہے اور وہ اردو زبان کو اپنی مادرِ زبان کہتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اردو زبان و ادب کی جتنی خدمت مسلم ظلم کاروں نے دانشوروں نے کی ہے اتنی ہی خدمت غیر مسلم دانشوروں اور ظلم کاروں نے بھی کی ہے اور آج بھی ایسے غیر مسلم ظلم کار موجود ہیں جو قابلِ رشک حد تک اردو زبان و ادب کی خدمت انجام دے رہے ہیں

اس وقت ہندوستان بلکہ اردو دنیا میں سب سے بڑا نام پروفیسر جگن
 کا بھی ہے جو ماہر اقبالیات کی حیثیت سے ساری دنیا میں شہرت
 رکھتے ہیں۔ سچ بھی یہی ہے کہ پروفیسر جگن ناتھ آزاد نے اپنی علمی سُر
 میں سب سے زیادہ وقت اقبال شناسی کے لیے دیا ہے پروفیسر جگن
 آزاد نہ صرف ایک اعلیٰ درجہ کے شاعر ہیں بلکہ صفِ اول کے محقق
 ہیں زائد ازیں ۶۰ برس سے اردو زبان و ادب کی خدمت کرنے میں دیو
 دار مصروف ہیں ان کی کتابوں کی بہت بڑی فہرست ہے تمام اردو
 حلقے ان کی کتابوں سے واقف ہیں بہت کم ایسے شاعر و ادیب ا
 دور میں موجود ہیں جنھوں نے پروفیسر جگن ناتھ آزاد کے برابر اپنا
 لکھی ہوں پروفیسر جگن ناتھ مصنف ہیں ہیں مولف بھی اور ان کے قلم و
 پیر بھی کچھ کتابیں دامانِ زبان و ادب کو ہمارا ہی ہیں۔ پروفیسر جگن
 آزاد سے میرے شخصی مراسم ہیں ان سے میری پہلی ملاقات اردو ہا
 آج سے ۳۵ برس پہلے ہوئی تھی وہ اُن دنوں حکمِ اطلاعات کی جانب
 مستعدہ کل ہند مشاعرہ میں شرکت کے لیے حیدرآباد آئے ہوئے تھے۔ اس
 مشاعرہ میں اس دور کے تمام نامور شاعروں نے شرکت کی تھی مجاہدِ آزادی
 لکھنؤ بابو جی وزیرِ اطلاعات تھے اردو ہندی کے نامور شاعر غنول پیر شاہ کو
 شاعر کے کنوینینس۔ میں نے پہلی دفعہ فراق گورکھپوری کو اسی مشاعرہ میں د
 تھا۔ میری ابتدائی شاعری کے زمانے میں ہندوستان و پاکستان کے تقریباً تمام
 ادبی رسائل میں یہ کلام شائع ہوتا تھا۔ رسائل کے ذریعہ پروفیسر جگن ناتھ آزاد

میرے نام سے واقف تھے۔ جب اُن سے اردو ہال میں پہلی ملاقات ہوئی تو مجھ سے کہنے لگے کہ ”میں تو یہ سمجھا تھا کہ صلاح الدین خیر کوئی سمیع شاعر ہوگا؟“ آپ تو جو ان سال شاعر ہیں۔“ اُس زمانے میں پروفیسر گلن ناتھ آزاد جہد آباد کی شعری و ادبی محفلوں میں بہت زیادہ شرکت کرتے تھے ڈاکٹر سید محی الدین قادری رور کی دعوت پر حیدر آباد کے بہت سے مشاعروں اور علمی و ادبی جلسوں میں انہوں نے شرکت کی۔ مولوی جمیب الرحمن، عابد علی خان صاحب اور ڈاکٹر حسینی شاہد کی شخصی دلچسپی کی وجہ سے انجمن ترقی اردو کی بیشتر ادبی تقاریب میں شرکت کیا کرتے تھے جب بھی وہ حیدر آباد آتے میری اُن سے ملاقات ہو ہی جاتی تھی خاص طور پر مشاعروں میں لازماً ملاقات رہتی۔ پروفیسر گلن ناتھ آزاد اپنے مخصوص تنہم میں کلام سنا کر محفل شعروادب پر چھا جاتے ہیں۔ اُن کے تنہم میں ایک خوشگوار دل کو چھپونے والی کیفیت ہوتی ہے تنہم میں ایک خاص قسم کی گونج ہوتی ہے جو سماعت کے لیے فروغ بخش ہوتی ہے پروفیسر گلن ناتھ آزاد نے بے شمار نظمیں بھی کہی ہیں جو مختلف موضوعات کا احاطہ کرتی ہیں وہ بے شمار اپوار ڈھل کر چکے ہیں ہر دور میں ہر حکومت کی اعلیٰ سطح کی اردو سیمینول سے وابستہ رہے، اب بھی ہیں۔ اس وقت انجمن ترقی اردو کے صدر نشین ہیں تمام اردو دنیا میں اپنی عالمانہ شاعرانہ حیثیت کی وجہ سے صفِ اوّل کے فلم کاروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ دنیا بھر میں جہاں جہاں اردو کے مراکز ہیں وہاں تاکہ ان کی رسائی ہو چکی ہے وہاں کئی ادبی محفلوں میں شرکت کر چکے ہیں قیام پاکستان سے قبل دو پاکستان میں تھے اپنی بیدار نشی سرزمین سے انہیں بے حد لگاؤ ہے وہ

وہ متحدہ ہندوستان کے قابل احترام شہری ہیں جتنی عزت ان کی ہندوستان میں کی جاتی ہے اتنی ہی پاکستان میں بھی کی جانی ہے نہایت محض، سادہ مزاج علم دوست ہیں کئی برسوں سے ہم دونوں میں خط و کتابت کا سلسلہ جاری ہے۔ ادھر خوشبو کا سفر کی اشاعت کے بعد سے کچھ زیادہ ہی خط و کتابت ہو رہی ہے خوشبو کا سفر میں پروفیسر جگن ناتھ آزاد کا کلام خصوصی مودت کے ساتھ شائع ہوا کرتا ہے جناب عابد علی خان صاحب، جناب محبوب حسین جگر صاحب سے ان کے دوستانہ و برادرانہ مراسم رہے آزاد صاحب ادبی ٹرسٹ کے ٹی مشورہ میں مدعو رہے ان کا کلام سیاست میں شائع ہوتا رہتا ہے اسے حیدرآباد کے اکثر علمی و ادبی جلسوں میں مدعو کیے جاتے ہیں شہر کی جامعات میں بھی مختلف مواقع پر مدعو رہے ہیں مختلف علمی و ادبی اجتماعوں سے وابستہ ہیں پروفیسر صاحب جب بھی حیدرآباد آتے ہیں تو ان سے ملاقات ہوتی ہے اگر شخصی ملاقات ممکن نہ ہو تو فون پر گفتگو ہوتی ہے گزشتہ بار جب وہ حیدرآباد آئے تو اپنی بہت سی کتابیں لے کر میرے گھر پہنچے۔ کتابیں حوالے کرنے ہوئے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ میری تمام کتابیں آپ کے پاس رہیں۔ ادھر ۲، ۳ برس میں کچھ اور نئی کتابیں پروفیسر صاحب کے فن اور شخصیت پر شائع ہوئی ہیں وہ کتابیں بھی انہوں نے ازراہ ادب نوازی روانہ کی ہے پروفیسر صاحب زائد از ۸۰ برس کے ہو گئے ہیں اس عمر میں بھی ان کے علمی و ادبی کام جاری ہیں۔ انہیں علمی و ادبی تقاریر میں خصوصیت کے ساتھ مدعو کیا جاتا ہے انہیں ہندوستان و پاکستان کے مشوروں میں مدعو کیا جاتا ہے پروفیسر آزاد کی امداد و خدمات اس قابل ہیں کہ وہ ہر دور میں

باد رکھی جائیں گی۔ حیدر آباد کو یہ اعزاز حاصل رہا ہے کہ انہوں نے حیدر آباد میں
 منعقدہ بے شمار ادبی جلسوں اور شعروں میں شرکت کی۔ سن ۱۹۶۶ء کی بات ہے کہ
 پروفیسر جگن ناتھ آزاد یوم قلی قطب شاہ تقاریب میں مدعو تھے اس تقریب کے
 سلسلے میں شہر کے مختلف کانٹس میں بیت بازی کے مقابلے رکھے گئے تھے میں یوم قلی
 قطب شاہ تقاریب کے سلسلے میں منعقدہ بیت بازی کا کنوینئر تھا بیت بازی
 کا فائنل مقابلہ محمد قلی قطب شاہ کی ٹیم کے اندر ہوا تھا اس فائنل مقابلہ میں وہیمینس
 کالج کی ٹیم نے بھی حصہ لیا تھا وہیمینس کالج کی ٹیم نے صدر بزم اردو فاطمہ نسreen کی
 سرپرستی میں شرکت کی تھا پروفیسر جگن ناتھ آزاد نے اپنے ایک شعر سے مقابلہ بیت
 بازی کا آغاز کیا تھا۔ انعامات کی تقسیم اختتامی تقریب میں عمل میں آئی۔ ڈاکٹر زور سے
 آزاد صاحب کے بہت ہی فخریہ ردالبط تھے آزاد صاحب کے والد محترم تلوک چند محوم
 اردو کے نامور قومی شاعر تھے جب ابھی وہ حیدر آباد آتے ڈاکٹر زور کے ہی مہمان
 رہتے تھے تلوک چند محوم جیسے عظیم شاعر سے میری پہلی ملاقات ایوان اردو میں ہوئی
 تھی۔ پروفیسر آزاد جموں یونیورسٹی کے پروفیسر رہ چکے ہیں ریٹائرمنٹ کے بعد
 بھی وہ جموں یونیورسٹی کے پروفیسر کوارٹریں رہتے ہیں پروفیسر آزاد جی ہمہ پہلو
 شخصیت ہیں بیرونی میں پیدا ہوئی ہیں۔ پروفیسر آزاد بھی ان غیر مسلم محبین اردو
 میں سے ایک ہیں جن کا نام ہر دور میں سنہری حروف سے روشن رہا ہے گا۔

کاوش بدری

(قلندر صفت، کہنہ مشفق استاد شاعر، نامور ادیب)

اگر جذبہ فغاہیں اور جذبہ رفاقت میں صداقت ہو تو وہ لوگ جو نظروں سے دور ہیں جن سے یہ سوں ملاقات نہیں ہوتی، سینکڑوں میل دور رہتے ہیں اُن کی دوری کوئی معنی نہیں رکھتی۔ چاہئے اور چاہئے جانے والے یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہزاروں میل دور رہنے والے بھی اپنے ساتھ رہتے ہیں، اپنے ساتھ ہی چلتے پھرتے ہیں اپنے ساتھ ہی اُٹھتے بیٹھتے ہیں۔ محسوس ہوتا ہے کہ وہ ہم سے گفتگو کر رہے ہیں۔ ہمارے رویہ وہ ہیں۔ ہم سے قریب تر ہیں۔ احساسات و توانا ہوں تو فاصلے خود بخود محسوس ہاتے ہیں اس طرح کے لوگ جو یادوں کا اہم حصہ بنے رہتے ہیں وہ دل سے دور نہیں رہتے اگرچہ وہ نظروں سے دور رہتے ہیں، ظلم ایک وسیلہ ہے جو فاصلوں کو مٹا دیتا ہے۔ اسی قبیل کے رنگ و نور میں رحیلے ادیب و شاعر کاوش بدری بھی ہیں جنہوں نے انجیلے نوت، دوستی، میااری اور اعلیٰ شاعری کے سبب مجھے اپنے دائرہ خلوص میں سمیٹ لیا۔ ہے مجھے اُن کی محبت بھرنے نہیں دیتی

کاوش بدری نہایت پر خلوص، محبت شناس، بے انتہا ٹوٹ کر محبت کرنے والے انسان ہیں۔ ان کی دوستی کا سہارا، بلند و بالا ہے۔ ان کی فکر اعلیٰ و ارفع ہے ان کا طرز حیات بے ساختگی کا اعلیٰ نمونہ ہے بہت زیادہ پڑھے لکھے آدمی ہیں اسی لیے دنیا کی نعمتوں و راحتوں سے بے نیاز ہیں صبر و شکیں کی جیتی جاگتی علامت ہیں ہر حال میں خوش رہنے والے انسان ہیں۔ توکل ان کی طبیعت کا خاصہ ہے خود اعتمادی ان کا اصلی جوہر ہے دوستی کے معاملات ہوں کہ شعر و ادب کی باتیں ہوں۔ پاک و ہاف ذہن و فکر کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ دوستی نبھانے کا سلیقہ آتا ہے بہترین شعر کہنے کی ان میں صلاحیت موجود ہے۔ کاوش بدری جنوبی ہند (مدرسہ) کے مشاہیر اردو میں سے ایک ہیں جن کے ذکر کے بغیر اٹلٹاؤ کے شاعروں، ادیبوں کی محفل میں ادھوری کبھی جاتی ہیں۔ خاص طور پر لباس کی ہر سیاری ادبی مجالس میں کاوش بدری کا وجود ضروری سمجھا جاتا ہے۔ کاوش بدری کا تجربہ علمی قابل رشک ہے اپنی ساری زندگی علمی و ادبی شعری و تہذیبی مصروفیات کی نذر کر چکے ہیں علوم و فنون کے تقریباً ہر شعبہ میں ان کی صلاحیتوں کو خراج پیش کیا جاتا ہے۔ ان کا قلندرانہ صفت ان کا شاعر کی بھی پوری طرح جھلکتی ہے کاوش صاحب بے نیازانہ فکر و آگہی کے مظہر ہیں۔ ان کے علم و فن کے چراغ ان کے ذہن کی روشنی اور دل کی پیر نور کیفیات سے پوری آب و تاب کے ساتھ جل رہے ہیں۔ کاوش بدری کو تمام اردو دنیا نہ صرف جانتی ہے بلکہ ان کے علم و فضل اور ان کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف بھی کرتے ہیں کھل کر ان کے فکر و خیال کی پاسداری کی جاتی ہے۔

کاوش بدری روشن دماغ شاعر کی طرح اس طرح کے شعر تخلیق کرتے ہیں کہ وہ شاہکار بن جاتے ہیں۔ کلاسیک شعری ادب سے گہری وابستگی اور تہذیبی اقدار سے مضبوط رشتے رکھنے کی وجہ سے ان کی شاعرانہ آں بان باقی ہے ایسا نہیں ہے کہ ان کے کلام میں ترقی پسندانہ خیالات کی عکاسی نہیں ملتی۔ بلکہ وہ عصر حاضر کی شاعری کی بھرپور نمائندگی کرتے ہیں۔ شعر و ادب سے ان کے اٹوٹ رشتہ نے ان کی شاعرانہ صلاحیتوں کو اتھارنے میں غیر معمولی کام کیا ہے ان کی شاعری کی بنیاد میں کلاسیکل شاعری کی خوشبو ہے۔ وہ مرکزیت کے قائل ہیں۔ وہ کلاسیکل شعری ادب کی پاسداری کرتے ہوئے ترقی پسندانہ خیالات اور جدید رجحانات کے بھی قدر شناس بھی ہیں۔ کاوش بدری ایک علمی و ادبی آدمی ہیں اردو دنیا کے تقویت یافتہ امیر اردو سے ان کے مراسم ہیں ان کی شاعری اور ان کی تحریروں سے متاثر ہو کر ادبی لوگ ان کے ہم نشین بن گئے ہیں وہ ٹاٹلنا ڈو کے ہیستہ دور علاقہ میں سکونت پذیر ہیں لیکن انہیں ساری ادبی دنیا کی خبر رہتی ہے رسائل اور کتابوں کے سبب۔ نامور قلم کاروں سے ان کی خط و کتابت کی وجہ سے بھی انہیں اردو کے بہت سے مسائل کو سمجھنے اور سمجھانے کا موقع ملتا رہتا ہے ہندوستان و پاکستان کے معیار کا رسائل میں ان کا کلام، ان کی تحریریں شائع ہوتی ہیں پاکستان کے اہل قلم حضرات و خواہن بھی ان کی شاعرانہ عظمت کے معترف ہیں۔ ادبی رسائل کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ علمی و ادبی مرد دنیا میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ فن عروض سے کما حقہ واقفیت رکھتے ہیں۔ زمرہ شاعری میں صرف ایک عالم کی حیثیت سے ہی نہیں، ناقد و مبصر و محقق کی حیثیت

سے ہی نہیں ایک بہترین شاعر کی حیثیت سے ادبی حلقوں میں شہرت رکھتے
 ہیں مانتا مہ شنب خون میں ان کا کلام سب سے زیادہ شائع ہوتا رہا ہے
 ان کی غزلیں ان کے روشن فکر و خیال کی آئینہ دار ہوتی ہیں ہر شعر قابل
 توجہ و قابل مطالعہ ہوتا ہے ان کی بعض غزلوں کے اشعار انتہائی معیاری و
 اعلیٰ ہوتے ہیں زبان و بیانی پر انہیں قدرت حاصل ہے کثرت مطالعہ نے
 کاوش بدری کو کنکرن بنا دیا ہے شعر و ادب کے ہر موضوع پر اظہار خیال کی
 صلاحیت رکھتے ہیں ملک کے علمی و ادبی ادارے اور شخصیتیں ان کی ماہرانہ
 صلاحیتوں سے مستفید ہوتے رہتے ہیں۔ کاوش بدری ۳۱ فروری ۱۹۲۸ء
 کو آمبور (ضلع شمالی ارکاٹ) ٹائل ناڈو میں پیدا ہوئے۔ مدرس یونیورسٹی
 سے بی اے کی ڈگری لی۔ ان کے مضامین اردو، فارسی اور تاریخ اسلام تھے۔
 افضل العلماء ڈاکٹر عبدالحق، آغا ہدایت اللہ مشوسنزی، مولانا شاکر ناظمی،
 علامہ صبغتہ اللہ بخاری، مولانا ابوالجلال ندوی، مولانا رحیم احمد فاروقی اور
 مولانا محمد یوسف کوکن اور دوسرے علماء سے انہوں نے علمی فیوض حاصل کیے
 شامل ان کی مادری زبان ہے لیکن اردو پر قدرت حاصل کر کے وہ اس زبان کے
 کامیاب نثر نگار اور مخزن محوشت عربینے۔ ان کی زندگی کا بیڑا حصہ مدرس
 یونیورسٹی لائبریری میں گزرا جہاں ان کا واسطہ کتب رسائل اور اہل قلم و علم سے
 رہا۔ بعد کو مدرس کے ایک انجینئر تنگ کالج کے دفتر میں بہ حیثیت پیریڈکٹسٹ
 ان کا تبادلہ ہو گیا۔ یہیں سے ۱۹۸۷ء میں وہ ملازمت سے سبکدوش ہو گئے
 ان کی تصانیف حسب ذیل ہیں (۱) مثنوی فیملہ نامہ (۱۹۶۵ء) نثر و نثری (۱۹۶۶ء)

کاویج (طویل نظم) ۱۶۹۷ء (۶۷) قطب مدراس۔ ۷۰۰ کلاسیکی غزلوں کا
دیوان کن فیکون اور ایک مجموعہ شعری ہشت بہشت، جلد ہی شائع
ہونے والا ہے۔ کل ہند انجمن ترقی پسند سفین کے قدم رکھیں۔ ایسا وہ
صدر ہیں۔ مگر اجویٹ ہونے کے بعد ہی ان کی ادبی و صحافتی دھجیاں شروع
ہوئیں۔ ۱۶۹۵ء میں فنکار کے نام سے ایک ماہنامہ مدراس سے جاری کیا
۱۹۵۳ء میں منزل کے نام سے ایک ماہنامہ نکالا۔ کاوش بدری سے میری پہلی
طلاقات مدراس کے ایک کل ہند مشاعرہ میں ہوئی تھی جو آج سے تقریباً ۴۰ برس
پہلے مدراس کے ایک نامور ڈاکٹر عزیز تمنائی نے میڈیکل کالج کی رقی اعانت
کے لیے کیا تھا۔ اس مشاعرہ میں ملک کے مقبول ترین شاعر، مسکنہ علیا جید
کیفی آغلی، ساحر لدھیانوی، جہاں نثار اختر، اور علی سردار جعفری نے بھی شرکت
کی تھی۔ میزبان مشاعرے کی حقیقت سے کاوش بدری نے بھی کلام سنایا تھا۔ غالباً اس
مشاعرہ میں عزیز تمنائی اور دانش فزازی نے بھی کلام سنایا تھا۔ اس مشاعرہ میں
جید آباد سے میں اور ناصر کرنولی مدعو تھے۔ ایسا لگتا ہے کہ ناصر کرنولی سے میری
پہلی طلاقات اسی مشاعرہ میں ہوئی تھی۔ کاوش بدری سے پہلے کبھی خط و کتابت نہیں
رہی۔ البتہ جب کہ وہ جید آباد آئے تو عابد علی خان صاحب، جگر صاحب سے
طلاقات کے لیے اپنا خط آسنے لگے اور اسی غزلیں اشاعت کے لیے جگر
صاحب کے حوالے کرتے تھے جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ میرے منشی قاضی کے استاد
حضرت مولانا گیلپی کے وہ مرید ہیں تو ان سے میری قربت میں کچھ اضافہ ہوا۔
بعض دفعہ میں ان کے ساتھ اپنے استاد مولانا گیلپی سے ملاقات کے لیے ان کے

دولت خانہ واقع اٹھاپورہ جا بابر تاتھا۔ کاوش بدری سے حیدر آباد کے بعض
 مشاعروں میں بھی ملاقات ہوتی رہی۔ میں نے انہیں شہر کے بعض کل ہند
 مشاعروں میں شرکت کی دعوت دی تھی جب میں کل ہند مجلس انجرام المسلمین
 کے زیر اہتمام منعقدہ مشاعرہ کا عقد تھا تو ایک مشاعرہ میں میں نے استفیاء
 کمیٹی کی منظوری کے بعد کاوش بدری کو مدعو کیا تھا۔ کاوش بدری شکرچی میموریل
 سوسائٹی کے مشاعرہ میں بھی شرکت کر چکے ہیں۔ میں نے انہیں مشاعرہ دکن میں
 بھی مدعو کیا تھا۔ کاوش بدری کے حیدرہ آباد میں اوج بیغوی، علی احمد جلیلی، خیرات
 ندیم اور شاذ نعمت قریبی دو سنوں میں سے ہے۔ حیدر آباد کی علی و ادبی قضا
 سے وہ بے حد متاثر ہیں وہ اس بات کے لیے کوشاں رہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح
 حیدر آباد کا بھی سفر کریں۔ مولانا غلیبی کے والد محترم کے عرس شریف کی تقدیر
 میں وہ ہر سال یہ پابندی شرکت کرتے ہیں جب بھی حیدرہ آباد آتے ہیں تو کچھ
 وقت میرے ساتھ بھی گزارتے ہیں۔ ان دنوں سیاست میں اشتاعت کے
 لیے ان کا کلام حاصل کیا جاتا ہے آل انڈیا ریڈیو حیدر آباد میں ان کا کلام ریکارڈ
 کیا جاتا ہے ان دنوں شہر میں کوئی مشاعرہ ہو تو وہ شرکت کرتے ہیں کاوش
 بدری صاحب کے کئی شاگرد ہیں لیکن وہ اپنے شاگردوں کا نام بتانے سے گریز
 کرتے ہیں۔ کاوش بدری سے ان کے کلام کے ذریعہ اکثر ملاقات ہو جاتی ہے اور
 ان سے غائبانہ ملاقات کا وسیلہ ان کا وہ کلام ہے جو ادبی رسالوں کی زینت بن رہا یا
 کرتا ہے۔ کاوش بدری تقریباً ۵۰ برس سے شری و ادبی محفلوں سے وابستہ ہیں
 انہوں نے بے شمار مشاعرے پڑھے ہیں بے شمار ادبی جلسوں میں شرکت کی۔

